تحریک آل انڈیا مومن کانفرنس

تاریخ کے آئینے میں

ڈاکٹر احمد سجّاد

ایم، اے۔ ڈی، لٹ

پروفیسر شعبۂ اردو

رانچی یونیورسٹی، رانچی، بہار

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

اشاعت اوّل : ۱۹۸۴ء
تعداد : دو ہزار
خوش نویس : محمد نذیر انصاری ۲۹۸ بخشی بازار سبرغ، الٰہ آباد ۳
ناشر : الٰہ آباد ویلفیر ایسوسی ایشن، الٰہ آباد
طابع : اسرار کریمی پریس، الٰہ آباد
قیمت : دس روپے

ملنے کے پتے :

۱۔ طارق سجاد، طارق منزل، بریاتو ہاؤسنگ کالونی، رانچی ۸۳۴۰۰۹ (بہار)

۲۔ بک امپوزیم، سبزی باغ، پٹنہ ۴

۳۔ صلاح الدین انصاری۔ قمر الدین بدر الدین برفیو مرس چوک۔ الٰہ آباد

اظہار تشکّر

پیش نظر کتاب "آل انڈیا مومن کانفرنس ۔ تاریخ کے آئینے میں" جس معیاری کتابت، طباعت اور نفاست کی متقاضی تھی اُسے چند قوم کا درد رکھنے والے بزرگوں اور باہمت مخلص نوجوانوں نے یک اشارۂ چشم میں تکمیل کو پہنچا دیا "الحمد للہ وشکراً لہ" یہ کتاب ملت اسلامیہ کے سب سے زیادہ عددی و افرادی قوت رکھنے والی قوم مومن انصار کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جن حضرات نے اس سلسلہ میں معاونت فرمائی ہے اُن کے بے پناہ جذبۂ خلوص و ایثار کا تقاضا ہے کہ نام ظاہر کیے بغیر ہم اُن کی خدمت میں ہدیۂ تشکّر و امتنان پیش کریں۔

بقول علامہ اقبالؒ :

اگر نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

صلاح الدین انصاری ابن الحاج قمر الدین صاحب مرحوم
برفیو مرس ۲۵ چوک ۔ الٰہ آباد۔
صدر : الٰہ آباد ویلفیر ایسوسی ایشن الٰہ آباد۔
محمد ایوب انصاری "صدر مولانا عاصم بہاریؒ میموریل سوسائٹی الٰہ آباد"
۵۲۷ اٹالہ، الٰہ آباد ۳

باسمہٖ تعالیٰ

پیش لفظ

ایک ایسے وقت میں جبکہ ہمارے ملک کی طرح پوری دنیا تاریخ کے ایک نازک موڑ پر پہنچ چکی ہے ہر قوم اور ہر ملک اپنے ماضی کے تجربات اور حال کے آئینۂ مشاہدات میں اپنے مستقبل کے نوک و پلک درست کرنے میں مصروف ہے۔ ہندوستان کے مومن و انصار (جو یہاں کی مسلم آبادی کا نصف سے زائد حصہ ہے) کو بھی ماضی کی طرح اپنا تاریخی رول ادا کرنا چاہیے ورنہ اندیشہ ہے کہ موجودہ انتشار اور بے حسی انہیں کچل کے نہ رکھ دے ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یوں تو انصاریانِ ہند کی موجودہ ناگفتہ بہ صورت حال کو بدلنے کی مختلف قسم کی سیاسی، معاشی، صحافتی، اور منطقی تجویزیں پیش کی جاتی رہی ہیں مگر ایک بات بالکل واضح ہے کہ انصاریانِ ہند ملّت اسلامیہ ہند کا جزو اعظم ہیں لہٰذا ان کے مسائل کی دو جہتیں بہت صاف ہیں اولاً اسلامی اور دوم پیشہ ورانہ۔ ان دونوں قسم کے مسائل کے حل میں اگر ذرا سی بھی بے اعتدالی برتی گئی تو سخت اندیشہ ہے کہ ان پر ملت اسلامیہ ہند کے مسائل کو مزید الجھانے کا الزام نہ عاید ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ ۴۷ء کے بعد تحریک آل انڈیا مومن کانفرنس کے جمود و تعطل کو دور کرنے کی فکر کے وقت اس کے ماضی و حال اور منظر و پس منظر کو اپنے پیش نظر رکھنا لازمی ہے اس کے بغیر ہم کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ ہی نہیں سکتے۔

چنانچہ پیش نظر تصنیف میں اس پچاس سالہ مومن تحریک کے منظر و پس منظر، بانیٔ تحریک کے

جامع تعارف، ان کے نظام تربیت اور موجودہ صورت حال کو پوری جرأت کے ساتھ متحقق کر دیا گیا۔ تاریخ المنوال وہ اہم تالیف ہے جس نے بانیٔ تحریک مولانا علی حسین عاصم بہاریؒ کو ایک عظیم الشان آل انڈیا تحریک کے قیام اور اس کی راہ میں بے مثال قربانیوں کے لیے آمادہ کیا۔ آج یہ اہم تاریخی کتاب چونکہ نایاب ہو چکی ہے اس لیے فاضل مصنف نے اس کی اس طرح تلخیص پیش کر دی ہے کہ اس کتاب کی دونوں جلدوں کا نچوڑ اس میں آگیا ہے۔ عاصم بہاریؒ صاحب کے نام کی کئی یادگاریں اور مختلف ادارے قائم ہو چکے ہیں مگر ان کی جامع سوانح عمری آج تک کہیں منظرِ عام پر نہیں آئی۔ یہ پہلی کاوش ہے کہ بانیٔ تحریک کو اس کی پوری وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ ان کے اندازِ کار اور نظام تربیت پر جو تحقیق پیش کی گئی ہے وہ بھی اپنی جگہ بے حد قیمتی اور موجودہ ماحول میں نشانِ راہ سے کم نہیں۔

عاصم بہاریؒ صاحب کی بعض اہم تحریروں کے اقتباسات نے اس تالیف کو نہایت وقیع بنا دیا ہے۔ موصوف کے یہ مختصر اقتباسات اپنی قدامت کے باوجود حقیقت و واقعیت کے اعتبار سے آج بھی بے حد قیمتی، پُر معنی اور تقریباً پیشین گوئی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر احمد سجاد کی دینی و تحریکی اور علمی و ادبی شخصیت اردو دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ موصوف نے اس تالیف میں اپنے وسیع مطالعہ اور فکر صحیح کو جس بیباکی سے پیش کیا ہے ممکن ہے بعض حضرات کو اس سے کچھ اختلاف ہو مگر بحیثیت مجموعی ملک و ملت اور بالخصوص بنکروں اور انصاریوں کے مسائل پر انہوں نے جو گراں قدر مواد پیش کر دیا ہے اس کی حیثیت ایک اہم علمی اور تحقیقی کارنامہ سے کم نہیں۔ توقع ہے کہ اہل علم اور اربابِ فکر و نظر اس اہم تاریخی دستاویز سے بھرپور استفادہ کریں گے۔ بہر حال ہم شکر گذار ہیں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی گوناگوں

مصروفیات کے باوجود اتنا قیمتی تاریخی و تحریکی مواد مسلم دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

ع
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا احتساب

حکیم ضیاء الدین ضیاؔ، فاضل الطب والجراحت (دہلی) ایم اے (علیگ)
(سابق پرنسپل گورنمنٹ تکمیل الطب طبیہ کالج، لکھنؤ)
شافی دواخانہ، ۱۲۳ سبزی منڈی۔ الہ آباد
یکم جنوری ۱۹۸۴ء
مطابق ۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ

مصنف کی دوسری کتابیں

۱۔	دبستانِ رام پور کا ایک اہم فنکار ــــ پیر غلام علی عشرت بریلوی	۲۵ روپے
۲۔	تنقید و تحقیق (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)	۲۵ روپے
۳۔	ہندوستانی مسلمانوں کے بنیادی مسائل اور ان کا حل	۵ روپے
۴۔	اسلام کا انقلابی لٹریچر مرحلہ بمرحلہ	ایک روپیہ
۵۔	پاکستان میں اردو غزل (تالیف)	دس روپے
۶۔	تحریک آل انڈیا مومن کانفرنس ــــ تاریخ کے آئینے میں	دس روپے
۷۔	بندۂ مومن کا ہاتھ (سوانح حیات عاصم بہاریؒ و تاریخ آل انڈین مومن کانفرنس دو جلدیں)	۷۵۰ صفحات، زیر طبع
۸۔	اقبال کی تحریکی شاعری	زیر ترتیب
۹۔	کلام اقبال میں انسانی قدریں	"
۱۰۔	داستان سحر البیان کا تنقیدی مطالعہ	"
۱۱۔	سفرنامہ ایران و عرب و پاکستان	"
۱۲۔	اردو نثر کی ایک گمشدہ کڑی ــــ داستان سحر البیان	زیر طبع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	(د)
۲	تحریک آل انڈیا مومن کانفرنس ـــ تاریخ کے آئینے میں	۵
۳	تلخیص تاریخ المنوال واہلہ	۲۲
۴	بانیٔ تحریک آل انڈیا مومن کانفرنس کا ایک مختصر تعارف	۵۴
۵	مولانا علی حسین عاصم بہاریؒ کا اسلامی نظام تربیت	۶۶
۶	عاصم بہاریؒ اکادمی	۷۷
۷	عاصم بہاریؒ اپنی تحریر کی روشنی میں :	۸۶
	(الف) آل انڈیا مومن کانفرنس کی تحریک کیوں ؟	۸۶
	(ب) صنعت پارچہ بافی کی کساد بازاری اور بنکروں کی پریشاں حالی	۸۸
	(ج) پندرہ روزہ الاکرام کا اداریہ	۹۱
	(د) الاکرام کی آرزوئیں	۹۳
	(ہ) چوبائی چلے گی جلد	۹۴
	(و) ہندوستانی مزاج	۹۵
۸	مولانا علی حسین عاصم بہاریؒ آئینۂ ایام میں	۹۶

تحریک آل انڈیا مومن کانفرنس ـ تاریخ کے آئینے میں

ماہرین عمرانیات کے نزدیک تاریخ کسی قوم کا حافظہ کہلاتی ہے مسلمانوں نے فن تاریخ نویسی میں جو عظیم الشان کارنامے یادگار چھوڑے ہیں انہیں فراموش نہیں کیا جاسکتا لیکن مسلمانوں کے زوال، انگریزی تہذیب کے عروج اور مستشرقین کے غلبہ کے بعد مسلمانوں کا تاریخی شعور جب مسخ ہوا تو اسلامی کلچر کی تاریخ کا مطالعہ قرن اول سے شروع کرنے کے بجائے دور عباسی سے کیا جانے لگا اور اسلامی فلسفہ کی تاریخ کا مطالعہ یونانی اثرات کے تحت رونما ہونے والے مباحث معتزلہ، فلاسفہ اور متکلمین کے دور سے کیا جانے لگا۔ گویا اس سے پہلے مسلمانوں کا نہ تو کوئی کلچر تھا نہ فکر و فلسفہ۔

شاید اسی مرعوب ذہن کا اثر تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی ماضی بعید کی تاریخ ترتیب دی جاتی تھی تو شہاب الدین محمد غوری سے بہادر شاہ ظفر تک بالعموم مسلمان بادشاہوں کے تذکروں ہی پر اکتفا کیا جاتا اور ماضی قریب کی مسلم تاریخ میں سرسید کی علی گڈھ تحریک، مسلم لیگ اور خلافت تحریک سے بات آگے نہیں بڑھتی تھی۔ ماضی کی فکری اور تہذیبی تحریکوں سے جب ہمارا رشتہ کمزور ہوگیا تو ہم نے آل انڈیا مومن کانفرنس، جمعیۃ العلماء، تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی جیسی تحریکوں کے ہمہ گیر اثرات کو نظر انداز کرنا شروع کردیا۔

آل انڈیا مومن کانفرنس کی تاریخ اس معنیٰ میں سب سے عجیب اور سبق آموز

ہے کہ آدم و حوا سے نسلِ انسانی کے آغاز پر ایمان رکھنے والے اور کل مومن اخوۃ پر
یقین رکھنے والے مسلمان جب ورن آشرم والے، ذات پات اور برہمن شودر کے
درمیان شدید امتیاز روا رکھنے والے ملک ہندوستان میں داخل ہوئے تو اس ذات
پات کی فضا سے متاثر ہو کر سید، شیخ، پٹھان اور انصاری وغیرہ میں بٹ کر رہ گئے۔
ترقی یافتہ اور پسماندہ مسلمانوں کی خلیج انگریزوں کی آمد کے بعد کچھ اور بڑھ گئی کیونکہ پھوٹ
ڈالو اور حکومت کرو ان کے اقتدار کا سنہرا اصول تھا۔ مزید یہ کہ یہاں کے بنکروں
اور صنعت کاروں کو ذلیل و پامال کئے بغیر انگریزی مصنوعات کا میدان ہموار نہیں
ہو سکتا تھا۔ چنانچہ بتدریج برادرانِ وطن کی طرح مسلمانانِ ہند بھی سماجی، نسلی اور
اقتصادی سطح پر کئی خانوں میں منقسم ہو کر رہ گئے۔

مگر اسلامی تاریخ کا ایک امتیاز یہ بھی رہا ہے کہ بہت طویل عرصہ تک اس قوم
کو کسی کے لئے مسلسل گمراہ کئے رہنا ممکن نہیں ہے۔ ہر دور یا کم از کم ہر صدی میں
ایسے مجددین و مصلحین اٹھتے رہے ہیں جنھوں نے مسلم معاشرہ کے بڑھتے ہوئے انحراف
کو بہر صورت روکنے کی کوشش کی ہے۔ موقع آیا ہے تو اس طرح کے فتنوں کو روکنے
کے لئے مخلصین نے جان و مال اور سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کیا ہے۔
چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اقتصادی لوٹ کھسوٹ، برطانوی حکومت کے سیاسی
مظالم اور برہمنیت کی سماجی بربریت نے یہاں کے صناعوں، فنکاروں اور مزدوروں
کو بُری طرح پامال اور تباہ و برباد کر دیا تو جلد ہی اس مجرمانہ عمل کا مثبت ردِعمل شروع
ہوا اور مختلف قسم کی سیاسی تحریکات کے بین بین بہت سی ہند و مسلم سماجی اصلاحی تحریکوں
کا بھی آغاز ہو گیا۔ مہاتما گاندھی کی دور بینی اور رہبر گیری کا کمال صرف یہی نہیں کہ
انہوں نے بڑے تدبیر کے ساتھ انگریزوں کے ساتھ سیاسی لڑائی لڑ کر ہندوستان

کی آزادی حاصل کر لی بلکہ انہوں نے جمہوری دور کی اسپرٹ کے پیش نظر ہندوستان
کے غریب اور پچھلے ہوئے شودروں کو ہریجن کا مرتبہ دیا۔ ان کے طرزِ زندگی کو
اختیار کر کے ان کا اعتماد حاصل کیا اور یوں ملک کے سوادِ اعظم کو اسلام یا عیسائیت
کی آغوش میں جانے سے بچا دیا۔ ماضی قریب کی تاریخ میں مسلم علماء، صلحاء اور سیاست
کاروں کے ایک طبقہ نے بجا طور پر ملک و ملت کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں
مگر ان میں سے ایک مثال بھی مہاتما گاندھی جیسی پیش نہیں کی جا سکتی جنھوں نے غریب
اور پسماندہ مسلمانوں کے مسائل کو اس قدر ڈوب کے سمجھا اور برتا ہو یا وہ بتدریج
جس طرح شودروں کی جگہ لے رہے تھے تو اس کے لئے سینہ سپر ہوئے ہوں۔ اس
سلسلے میں مولانا علی حسین عاصم بہاری کی شخصیت وہ واحد مثال ہے جس نے اپنی
تمام کم مائیگیوں اور معذوریوں کے باوجود دینی بنیادوں پر پسماندہ مسلم قبائل اور
برادریوں کے مردہ ضمیر کے لئے مسیحائی کا کام کیا اور مسلمانوں کی بے حسی کو ختم کرنے
اور ان کی معاشرتی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لئے نہ صرف اپنی پوری زندگی
بلکہ اپنے پورے خاندان کے مستقبل کو قربان کر دیا۔ وہ اس برصغیر کے طول و عرض
میں گاؤں گاؤں، قریہ قریہ اور شہر شہر کا عمر بھر دورہ کرتے رہے یہاں تک کہ
آل انڈیا مومن کانفرنس کی تحریک کو عملاً رنگون سے پشاور اور ہمالیہ کی ترائی سے
راس کماری تک برپا کر کے دکھا دیا۔ ان کی تحریک کا دائرہ کار اصلاً انصار (مومن)
برادری تک محدود ہونے کے باوجود انھوں نے نسل، پیشہ اور ذات، پات کی
بنیاد پر اونچ نیچ کو ختم کر کے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے اصول کے
لئے اپنی پوری زندگی دے دی اسی کے سر افتراق بین المسلمین کا الزام بھی تھوپا گیا۔
بانیٔ تحریک آل انڈیا مومن کانفرنس نے اسلامی کردار سازی کی بنیاد پر تعلیم،

تنظیم اور اصلاح کے تین ستونوں پر اپنی تحریک کی پوری عمارت کھڑی کی اس سلسلے میں ان کی ایک حکمت عملی یہ رہی کہ انصاریوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ (دینی و دنیوی) بے تعلق افراد کو چُن چن کر سامنے لائے۔ انہیں قیادت کے لئے تیار کرتے اور خود ان کے پیچھے رہ کر کام کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آخر عمر تک عاصم بہاری نے خود کو اس عظیم الشان تحریک کے جوائنٹ سکریٹری اور جنرل سکریٹری سے آگے نہیں بڑھایا۔ موصوف کی دوسری حکمت عملی یہ تھی کہ اپنی پالیسی، پروگرام اور آل انڈیا اجلاس کے موقعوں پر دیگر پسماندہ مسلم برادریوں کو عوام و خواص کو بھی ہمیشہ شریک کار بناتے رہے۔ بیسیوں برس تک انتھک محنت اور سعی و جہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے گوشے گوشے میں اس کی شاخیں قائم ہوگئیں۔ درجنوں اخبار و رسائل نکلنے لگے۔ مکاتب و مدارس اور لائبریریوں کے قیام کا ایک سلسلہ جاری ہوگیا، پیشہ ورانہ فنی تنظیموں کا قیام عمل میں آیا اور ان سب کے نتیجے میں ملت اسلامیہ کے سواد اعظم کے درمیان اتحاد و یکجہتی کی فضا قائم ہوئی چنانچہ سماجی اصلاح اور سیاسی بیداری کی ایک لہر سی چل پڑی۔

اس تحریک نے ۱؍ فروری ۳۵ء کو حسب تجویز اجلاس آل انڈیا مومن کانفرنس گیا، مجلس عاملہ منعقدہ الہ آباد میں جو "دستور العمل" منظور کیا اس کے اغراض و مقاصد سے اس کی وسعت و ہمہ گیری اور اس کے اصلاحی کردار کا اندازہ کیا جاسکے گا:

"۱۔ اسلام و ملک کی عام خدمت، بالخصوص اسلامی مساوات کی عملاً وقولاً تبلیغ و حمایت۔

۲۔ تمام ہندوستان میں قوم مومن کی تنظیم۔

۳۔ قوم مومن کی تعلیمی، اقتصادی، معاشرتی و سیاسی ترقی کی سعی

۴۔ قوم مومن کی صنعت پارچہ بافی و دیگر صنعتوں کی ترقی کی کوشش۔

نوٹ: اس کانفرنس کو اختلافی مسائل مذہبی سے اور غیر آئینی جد و جہد سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

تحریک کی اس وسعت اور ہمہ گیری نے ملک کی عظیم شخصیتوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد، مہاتما گاندھی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا آزاد سجانی اور سر عبدالعزیز جیسی ہستیوں نے بھی مومن کانفرنس کے جلسوں میں شرکت کی، خطاب کیا اور عاصم بہاری سے ان کے روابط رہے۔ کیونکہ عاصم صاحب اپنی تحریک کے علاوہ خلافت تحریک، نیشنل کانگریس اور دوسری مسلم کانفرنسوں اور تحریکوں کے ساتھ حتی المقدور تعاون کرتے رہتے تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ حالات کی تبدیلی اور عصری تقاضوں سے بانی تحریک عاصم بہاری نے بہت کچھ سیکھا۔ بالخصوص ۳۶ء اور ۳۷ء کے ہنگامہ خیز الیکشن اور مختلف ریاستوں میں تشکیل وزارت نے انہیں کئی سبق سکھائے۔ تحریک کے متعدد ارکان مختلف اسمبلیوں اور کونسلوں میں منتخب ہوئے اور کئی مطالبے منظور ہوئے۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ پوری تحریک کو ایک نیا اعتماد حاصل ہوا۔ یہی تجربہ اور اعتماد ۱۹۴۶ء کے فیصلہ کُن انتخابی مرحلے میں بے حد سودمند ثابت ہوا اور آل انڈیا مومن کانفرنس نے موصوف کی قیادت میں اپنی تحریک کو ایک علیحدہ مستقل سیاسی پارٹی کی حیثیت سے میدانِ عمل اُتار دیا۔ نتائج نہایت حوصلہ افزا رہے۔ مثلاً ریاست بہار میں پانچ اسمبلی سیٹوں[5] پر

---

۵ (i) عبدالقیوم انصاری، رانچی

(ii) محمد یٰسین انصاری، ہزاری باغ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۱۰ پر)

مومن کانفرنس کے اُمیدوار کامیاب ہوئے۔ اس مثبت فائدے کے علاوہ منفی سیاسی فائدہ بھی ہوا مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مزید تین انصاریوں[۵۱] نے سیٹیں حاصل کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہار میں تشکیل وزارت کے وقت کانگریس ہائی کمان کی طرف سے مولانا ابوالکلام آزاد جب پٹنہ[۵۲] آئے تو بہار کے مومنوں کے ایک وفد نے موصوف سے مطالبہ کیا کہ عبدالقیوم انصاری کو وزیر تعلیم بنایا جائے۔ مولانا آزاد نے یہ شرط پیش کی کہ آل انڈیا مومن کانفرنس کانگریس سے انضمام کے عہدنامے پر دستخط کرے۔ اس وقت کی مومن قیادت نے کانگریس کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور اپنی جداگانہ سیاسی حیثیت برقرار رکھی مگر دوسرے ہی ہفتہ ہائی کمان کو اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنی پڑی اور عبدالقیوم انصاری بی، ڈبلیو، ڈی کے وزیر منتخب کرلئے گئے۔

مومن کانفرنس کے اس مضبوط سیاسی موقف کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت بہار نے اس کے مطالبے پر ریاست بہار میں ۵۰۰ ہیکورڈ مسلم ویلفیر مکتب[۵۳] قائم کئے، ۱۲۰۰ جن کر

(صفحہ ۹ کا بقیہ فٹ نوٹ)

(iii) مولوی عبدالحمید، ڈالٹین گنج

(iv) عبدالاحد محمد نور، دربھنگہ

(v) محمد یٰسین، مدھوپور

۵۱ (i) محمد قاسم انصاری، سیوان

(ii) لطیف الرحمٰن نگمتیہ، گیا

(iii) مولانا مبارک کریم، بہار شریف

۵۲ قیام گرینڈ ہوٹل، پٹنہ

۵۳ چھوٹا ناگپور میں تقریباً ۵۰ اور ہزاری باغ میں ۲۵۔

سوسائیٹیوں کا قیام عمل میں لایا۔ مومن اور پسماندہ مسلم برادریوں کے لئے کالج کی سطح تک سیکڑوں طلبا کے لئے فری شپ کا نظم کیا گیا اور میڈیکل اور دیگر فنی و پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں میں ان کے طلبا کے لئے داخلہ کے وقت سیٹیں ریزرو کیں۔

مگر اپنی ضعیف العمری، تیزی سے گرتی ہوئی صحت اور ملک کی فرقہ وارانہ صورتحال کے پیش نظر ۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد جب عاصم بہاری بہت حد تک بساطِ سیاست سے علیحدہ ہوگئے تو یہیں سے یہ تحریک اور اس کے قائدین سخت بحران میں مبتلا ہوئے۔ انہوں نے حالات کے پیش نظر اپنے جداگانہ سیاسی تشخص کو ختم کردیا اور خود کو کانگریس میں ضم کردیا۔ نہ صرف سیاسی اعتبار سے بلکہ اس پوری تحریک ہی کی قلب ماہیئت کردی گئی۔ چنانچہ دستور اساسی کل ہند مومن کانفرنس منظور شدہ اجلاس نہم (پٹنہ ۱۹۳۸ء) کے "مقصد" کو دیکھ کر اس المیہ کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

"دفعہ ۱: مومن جماعت کی اقتصادی، سماجی، تمدنی اور تعلیمی فلاح و بہبود اور اس کے حصول کے ذرائع پر عمل کرنا۔"

یہیں سے مومن تحریک ایک نئی اور افسوسناک کروٹ لے کر کانگریس پارٹی کی تابع مہمل بن کررہ گئی۔ اس کے تحریکی مزاج کا خاتمہ ہوگیا اور یہ نصف صدی کی مستحکم تحریک نہ صرف سیاسی بلکہ تعلیمی، اصلاحی، سماجی اور تنظیمی سطحوں پر بھی نہایت سرعت کے ساتھ مرج ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ اس بے روح تحریک کا تابوت آج مختلف کندھوں سے ہوتا ہوا دہلی اور ملک کے دوچار شہروں کے گنتی کے چند مکانوں میں دفن ہے ہر چار پانچ سال کے بعد مجاوران مومن تحریک جنرل الیکشنوں کے آس پاس جب اس تابوت کی پرانی چادروں کو بدلنے یا لوبان و پھول چڑھانے کے لئے متحرک ہوتے ہیں تو ان میں سے چند خوش نصیبوں کو ریاستی یا مرکزی سطح کی کچھ وزارت، چیرمینی، ڈائرکٹری، اسمبلی

اور کاؤنسلوں کی ممبری کے تحفوں سے انہیں نوازدیا جاتا ہے۔

یہ باتیں محض طنز وتعریض کی غرض سے نہیں عرض کی گئیں۔ حصول آزادی کے بعد تازہ صورتحال پر اگر غور کیجئے تو صاف محسوس ہوگا کہ غلامی کی زنجیروں کے کٹتے ہی گاندھیائی آدرش گھریلو دستکاریوں کے فروغ کو پنج سالہ منصوبوں اور ترقیاتی اسکیموں نے چار چاند لگادیئے۔ ہر قسم کی صنعت وحرفت میں بہت سی خرابیوں کے باوجود چین وجاپان کے بعد ایشیا میں ہندوستان کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ سچ تو یہ ہے کہ چھوٹی بڑی صنعتوں نے آسمان ترقی کو چھولیا ہے۔ حکومت وقت نے ہینڈلوم اور کرگھا صنعت کی ترقی پر بلا مبالغہ اب تک اربوں روپئے کا سرمایہ لگایا ہے مگر ایمانداری سے بتایئے کہ پارچہ باف مزدوروں اور دستکاروں کو کتنا فیصد اس کا فائدہ پہنچا۔ بطور مثال حکومت بہار نے اس سلسلے میں ۴۸ء سے اب تک جو اقدامات کئے ہیں ان کا اندازہ بنکروں کے تین عظیم الشان نیم سرکاری صنعتی اور کاروباری اداروں کے قیام سے کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ دی بہار اسٹیٹ ہینڈلوم ویورس کوآپریٹو یونین لمیٹیڈ اگزبیشن روڈ، پٹنہ۔

(THE BIHAR STATE HANDLOOM WEAVERS CO-OPERATIVE UNION LTD. EXHIBITION ROAD, PATNA)

۲۔ بہار اسٹیٹ ہینڈلوم پاورلوم کارپوریشن

(THE BIHAR STATE HANDLOOM POWERLOOM CORPORATION)

۳۔ دی ریجنل ہینڈلوم ویورس کوآپریٹو یونین[1]

(THE REGIONAL HANDLOOM WEAVERS CO-OPERATIVE UNION)

---

[1] بہار میں پانچ علاقائی (ریجنل) کوآپریٹو یونین قائم ہیں:
رانچی۔ بہار شریف۔ بھاگلپور۔ سیوان اور مدھوبنی

اسی پر ملک کی دیگر ریاستوں کے اقدامات پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ بالا اداروں کی کارکردگی کا اگر تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو بعض ایسے حقائق بے نقاب ہوں گے کہ ان کی لما کی انتہائی حیران کن ہوگی۔ مذکورہ اداروں اور سوسائٹیوں کے عملاً صرف ڈھانچے رہ گئے ہیں جن کے چوکھٹوں میں ان کے مٹھی بھر ذمہ داروں کے علاوہ کسی کی تصویر نظر نہیں آتی۔ ان کے نوے فی صد ارکان عام، عملی حقائق سے یا تو بے خبر ہیں یا جان بوجھ کر ان سے بے تعلق ہیں۔ چنانچہ سوسائٹیوں اور یونینوں کے نوے فیصد مال ان کے ممبر بنکروں اور دستکاروں کے ذریعہ تیار نہیں ہوتے بلکہ مختلف شہر کے بازاروں، ہاٹوں اور بڑی منڈیوں سے تھوک بھاؤ میں خرید کے کمیشن اور چھوٹ (REBATE) کی غرض سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ بونسی ہاٹ (ہفتہ واری بازار) بھاگلپور، بہار کے بارے میں واقف کار حضرات خوب جانتے ہیں کہ وہاں ایک سے ایک اعلیٰ درجے کے ہینڈلوم اور پاورلوم کے بنے ہوئے کپڑے دن بھر میں تقریباً ۱۵ سے ۲۰ لاکھ تک کے فروخت ہوجاتے ہیں۔ ملک بھر کے تھوک خریداران، ایجنٹ اور متعلقہ افراد بازار لگتے ہی ٹوٹ پڑتے ہیں اور محض چند گھنٹوں میں اتنا عظیم الشان کاروبار ہوجاتا ہے اور یہ سارا مال آزاد مزدور پیشہ بُن کر خود تیار کر کے فراہم کرتے ہیں۔ بلکہ بعض یونینوں اور سوسائٹیوں کے ذمہ داران تک وہاں سے تھوک مال خریدتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سرکاری فنڈ سے چلنے والے یہ نام نہاد ادارے تقریباً معطل ہیں اور ان سے وابستہ بُنکر تماشائی محض، استثنائی طور پر بعض یونین اور سوسائٹیوں کے ذمہ داران اپنے بُنکر ارکان کو متحرک کرنے کے لئے سوت اور مالی اعانت فراہم بھی کرتے ہیں تو وہ لوگ الناس علیٰ دین ملوکھم کے انداز پر سرکاری سوت اور قرضہ جات کھا کے بیٹھ رہتے ہیں پھر کھیت، کھلیان، کارخانوں اور ادھر اُدھر محنت

مزدوری کرکے دن گذارتے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر وہی ڈھاک کے تین پات۔

سچ پوچھئے تو اس وقت وہی مٹھی بھر کنبہ اور انصاری خاندان خوشحال ہے جس ان اداروں سے بے نیاز ہوکر اپنے خونِ جگر سے اپنی جنت تعمیر کی ہے یا پھر وہ لوگ خوشحال ہیں جو اپنی خوش نصیبی یا سیاسی جوڑ توڑ کی بنا پر کسی نہ کسی یونین یا سوسائٹی کوئی نہ کوئی عہدہ رکھتے ہیں۔

غرض موجودہ صورتحال یہ ہے کہ انصاریوں کا ایک بااثر سیاسی طبقہ ٹیبل پالٹکس یا بیک ڈور پالٹکس کے ذریعہ ارباب اقتدار کی کرسیوں سے وابستہ ہے یا دوسرا چالاک طبقہ مختلف یونینوں، سوسائیٹوں اور اداروں کے ظل ہما ہیں پروان چڑھ رہا ہے باقی رہے عوام تو وہ تو کالانعام ٹھہرے۔ ان کی فکر کس کو ہے؟ چنانچہ سیاست، معیشت معاشرت اور زندگی کے ہر میدان میں انصاریوں کا عوامی طبقہ ملک کا سب بدنصیب طبقہ ہے۔ چونکہ مسلم آبادی کا ایک بڑا حصہ انصاریوں پر مشتمل ہے اس لئے غر وجہالت اور فرقہ وارانہ فسادات کا براہ راست شکار اگر کوئی مسلم طبقہ ہے تو غریب انصار طبقہ۔ جو لوگ اپنے بل بوتے اور محنت و مشقت سے کسی طرح کی سوسا یا پیشہ ورانہ ادارے چلا رہے ہیں ان کے ساتھ اکسائز، سیلس اور انکم ٹیکس کے جھگڑے ہیں۔ کہیں COMPOUNDED DUTY & LEVY کی تلوار لٹک رہی ہے کہیں INTEGRATED TEXTILE POLICY کی تلوار سروں پر ہے۔ کہیں بڑی بڑ ٹکسٹائل ملوں سے مقابلہ ہے تو کہیں رنگوں اور تیار شدہ مال کے درآمد و برآمد کی مصیبت مارواڑی سرمایہ داروں کے عمل دخل، مارکٹ اور مزدوری کی پیچیدگی ان سب پر مستزا اب اس ماحول میں کسے فرصت ہے کہ وہ حکومت وقت کی پالیسیوں، پروگراموں، پنج منصوبوں اور مختلف ریاستی و مرکزی اسکیموں پر نظر رکھے کہ کیا کچھ کوتاہیاں ہو چکی ہیں۔ ان

تلافی کس طرح کی جائے اور مستقبل کے اندیشوں سے اس غریب مسلم اکثریت کو کس طرح بچایا جائے۔ آزادی کے بعد وقفہ وقفہ سے حکومت نے بنکروں کے پیشہ ورانہ مسائل اور تصنیف و حرفت کے جملہ امور کی جانچ پڑتال کے لئے کئی کمیشن مقرر کئے۔ ان کی رپورٹیں بھی منظرِ عام پر آچکی ہیں مگر ان کے تجزیاتی مطالعہ اور ان رپورٹوں کی روشنی میں بنکروں اور دستکاروں کے مسائل کو حل کرنے کی فکر آخر کرے تو کون اور کیسے کرے؟ اس سلسلے میں اشوک مہتہ کمیٹی کی رپورٹ قابل ذکر ہے مگر اس کا تفصیلی تعارف اور تجزیہ آج تک کسی صورت میں ہمارے سامنے نہ آسکا۔

چونکہ پوری تحریک مردہ بنادی گئی ہے اس لئے ملک کے طول و عرض سے نکلنے والے درجنوں انصاریوں کے اخبار و رسائل کا کب کو کام تمام ہو چکا۔ لہذا نگہبانی اور تعمیری تنقید کے فرائض انجام دینے والے عنصر کا بھی فقدان ہو گیا۔ آزادی کے بعد انصاریوں کے علاوہ دیگر پسماندہ مسلم برادریوں کے مسائل بھی کس قدر ناگفتہ بہہ ہو چکے ہیں۔ ہماری دینی و ملی تعلیمی و سیاسی اور معاشی و اخلاقی صورتحال نیز ملازمتوں میں حق تلفی مسلم پرسنل لا، زبان و تہذیب اور رجان و مال کو ملک بھر میں جس طرح تباہ و برباد کیا جا رہا ہے ان پر یہ پوری مومن کانفرنس صمٌّ بکمٌ بنی بیٹھی ہے۔

عبدالقیوم انصاری صاحب کی وفات (جنوری ۱۹۷۳ء) کے معاً بعد اُس وقت کی نمایاں اور متحرک شخصیت (نائب وزیر صنعت و شہری رسد)[1] کو جن توقعات کے ساتھ آل انڈیا مومن کانفرنس کا نیا صدر منتخب کیا گیا ان سب کا بدترین حشر انصاریان ہند کے سامنے ہے۔ موصوف کی صدارت کے بعد "دو اہم اور فوری کام کو اولیت دی گئی" اولاً مومن کانفرنس کی صدارت کی پٹنہ سے دہلی منتقلی اور دوسرے مومن کانفرنس کا کل ہند

---

[1] موجودہ وزیر شپنگ و ٹرانسپورٹ۔

اجلاس منعقد کرنا"[51] پھر بڑے طنطنے کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی تقریباً نصف آبادی کی اس برادری کی اقتصادی بہتری، ہمہ گیر ترقیات کے لئے ٹھوس و تعمیری پروگرام کے خاکہ کی ترتیب، برادری کے ہونہار مگر نادار طلبا و طالبات کی مالی امداد، ہینڈلوم و پاورلوم کی صنعت، بنارس کی زری ساڑھیوں، بھدوہی کی قالین، مرادآبادی ظروف، بھاگلپوری سلک، علی گڈھ کے تالے، سہارن پور میں لکڑی وغیرہ وغیرہ کی صنعتوں سے منسلک برادری کے افراد کے مشکلات کو حل کرنے اور فروغ دینے اور دہلی میں ایک کثیر منزلہ عمارت کی تعمیر جس کی نچلی منزل پر برادری کی برآمد ہونے والی تمام مصنوعات کے شوروم آڈیٹوریم، کانفرنس ہال، لائبریری اور قیام گاہوں کی تعمیر"[52] کے بلند و بانگ دعوے کئے گئے۔

مندرجہ بالا دو کام تو واقعی ہوگئے یعنی صدارت دہلی منتقل ہوگئی اور جنرل الیکشن سے کچھ پہلے مشہور زمانہ ایمرجنسی کے دوران ۷، ۸ مئی ۱۹۷۶ء کو دہلی میں آل انڈیا اجلاس ٹھیک اس وقت منعقد ہوا جب ترکمان گیٹ کی پوری غریب مسلم آبادی مسجد سمیت بلڈوزروں سے زمین بوس کردی گئی اور جس کے دھواں اور گرد و غبار سے پورا ملک سیاہ ہو رہا تھا۔ مگر اس آل انڈیا اجلاس میں ملک کی اس وقت کی نازک صورتحال پر کوئی تجویز منظور نہ کی جاسکی۔ البتہ وزیراعظم ہند کی تقریر کے وقت تزک و احتشام میں کوئی

---

۵۱ ملاحظہ ہوئے صدر آل انڈیا مومن کانفرنس کا جاری کردہ سرکلر از ۱۴۱/سی فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی۔

۵۲ عبدالقیوم انصاری بھون برائے مرکزی دفتر دہلی۔ ملاحظہ ہو نئی دنیا، پٹنہ، مورخہ ۴ نومبر ۱۹۷۵ء جلد ۵، شمارہ ۲۳ - اداریہ - مدیر ڈاکٹر حسن نشاط انصاری۔

۵۳ ملاحظہ ہو سرکلر ہذا۔

کمی نہ کی جاسکی اور ان کی تقریر کے بعد پوری کانفرنس گویا عملاً برخاست ہوگئی۔ ہاں کچھ معمولی اور پھیکی نشستوں کے ذریعہ رسم پوری کرلی گئی۔

اصل یہ ہے کہ ارباب اقتدار اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں کہ عوام کا حافظہ بہت محدود ہوتا ہے۔ وہ بہت جلد اپنی ناک کے نیچے کئے ہوئے بلند و بانگ دعوؤں کو بھول جاتے ہیں۔ اس لئے کاغذی اسکیموں اور عوامی بہلاوؤں سے بگڑتا کیا ہے۔ چنانچہ ۱۹۸۴ء کے الیکشن سے قبل مصدقہ اطلاع یہ ہے کہ اس سال مارچ میں پھر ایک آل انڈیا مومن کانفرنس کے اجلاس کی تیاریاں شروع ہوچکی ہیں اور سرکلر، اشتہارات اور دیواری پوسٹرس ایک بار پھر چند نئے اور دلفریب شاہ سرخیوں کے ساتھ اس بھولی بھالی مومن برادری کے سامنے آنے کے لئے مچل رہے ہوں گے۔[53]

خواب سے بیدار ہوتا ہے کوئی محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے حلقہ گردن میں سازِ دلبری

ظاہر ہے کہ نرے انتخابی اغراض کے لئے ہر ۵-۷ سال پر اگر قیامت تک بھی آل انڈیا اجلاس طلب کئے جاتے رہیں گے تو اس سے اس برادری یا ملت کے کسی عنصر کا کوئی مسئلہ حل ہونے سے رہا۔

اصل یہ ہے کہ ایوان اقتدار و وزارت میں آنے کے بعد کوئی شخص کتنا ہی مخلص اور باصلاحیت کیوں نہ ہو کسی آزاد و خوددار تحریک کو کبھی صحیح رُخ پر چلا نہیں سکتا یہ انسانی نفسیات اور اس کی قوت کارکردگی سے بالکل متضاد بات ہے۔ مگر ۱۹۷۱ء کے بعد یہ تضاد مومن کانفرنس کے ساتھ مسلسل دُہرایا جاتا رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے قبل

عہدِ غلامی کی معذوریوں اور لاچاریوں کے علاوہ اس وقت کے بے حد پیچیدہ حالات میں بھی یہ تحریک پورے عزم و حوصلہ اور اعتماد کے ساتھ روز افزوں ترقی پر رہی مگر ۴۷ء کے بعد کی آزاد فضا اور نت نئی سہولتوں کے باوجود ارباب تحریک کا ایوانِ سیاست سے چپٹے رہنا ہی اس کی موت کا سامان بن گیا۔ واضح ہو کہ سیاست و اقتدار میں آنا کوئی بُری بات نہیں۔ یہ تو ہر آبادی کا جمہوری اور آئینی حق ہے۔ اس سے دستبردار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ بیک وقت اقتدار کے ناز و غمزے اور قوم و برادری کے جان لیوا مطالبے کو ایک ساتھ نباہنا، زمین و آسمان کے قلابے ملانا ہے۔ چنانچہ کہنے کو تو ۴۷ء کے بعد مومن کانفرنس کی تحریک کو سیاست سے علیحدہ کر دیا گیا مگر عملاً برسر اقتدار طبقہ کی سیاست سے اسے وابستہ رکھا گیا۔ اسی دو عملی اور گندم نما جو فروشی سے تحریکیں شرمناک انجام سے دوچار ہوتی ہیں۔

کرسیٔ وزارت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد ہمارا مسلم وزرا کس قدر بے دست و پا ہوتے ہیں اس کی ایک ادنیٰ مثال مرکزی وزارت شپنگ اور ٹرانسپورٹ کے افسروں کے اعداد و شمار میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جہاں گروپ اے اور بی کے جملہ ۳۸۹ افسرانِ اعلیٰ میں مسلم افسران کی کل تعداد فقط ۲ عدد[1] ہے یعنی ‎0.5%‎ جب کوئی مسلم وزیر براہ راست اپنے قلمدانِ وزارت میں بھی مسلم تناسب سے بحالیاں کرنے میں قاصر ہے تو کروڑوں کی کسی برادری کے جملہ مطالبات کو آگے بڑھانے اور متحرک کر کے حکومتِ وقت سے انہیں منوانے کی صلاحیت اس میں کہاں سے اُبل پڑے گی۔

دوسری مثال ضلع علی گڈھ (یو۔پی) میں چھوٹی[2] صنعتوں کے اس جائزے[3] میں دیکھ سکتے

---

[1] ملاحظہ ہو مسلم انڈیا دہلی، ماہ دسمبر ۸۳ء شمارہ ۱۲ صفحہ ۵۴۰، مدیر سید شہاب الدین۔

[2] ۲۰ لاکھ سے کم کی لاگت والی صنعتیں۔ [3] ملاحظہ ہو مسلم آل انڈیا بمبئی اکتوبر ۸۳ء، صفحہ ۴۶۴۔

ہیں جسے محمد اظہر صاحب (لکچرار شعبہ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) نے تحقیق کے بعد پیش کیا ہے۔ اس تحقیق کی رو سے علی گڈھ میں تالہ سازی کی صنعت ۸۵% مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے مگر اس کا کاروبار ۸۰% غیر مسلمانوں کے کنٹرول میں ہے نتیجہ یہ ہے کہ منافع کا بیشتر حصہ غیر مسلم ساہوکاروں کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ ۵۔۷ منافع بخش کاروبار ایسے ہیں جن کے مالک یا مزدور مسلمان سرے سے ہیں ہی نہیں۔ بقیہ کاروبار میں مسلمانوں کا سرمایہ اور ان کی افرادی طاقت بھی ناقابل لحاظ ہے۔ ایسا ہونا فطری ہے کیونکہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں ٹکنیکل تعلیم، خام مال کی سپلائی، لین دین، بازار، سرمایہ اور مزدور کے مسائل کو منظم انداز میں حل نہ کیا جائے تو کسی صنعت یا کاروبار کا فروغ ممکن نہیں۔ ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ تمام تر بلند و بانگ دعوؤں کے باوجود نیم سرکاری ادارے جب ان ترقی یافتہ وسائل سے محروم ہیں تو عام کاروباری اور غریب مسلم دستکار ان مسائل پر کیسے قابو پا سکتا ہے۔ ان بڑی باتوں سے قطع نظر ارباب آل انڈیا مومن کانفرنس کی خدمت میں بانیٔ تحریک مولانا علی حسین عاصم بہاری صاحب مرحوم کی بے حد معمر اہلیہ نے ایک بڑے جلسہ کے موقع پر اپنے بعض نجی مسائل اور پریشانیوں میں تعاون کی فرمائش کی تو آج تک ریاستی سے مرکزی سطح تک کسی کرسی نشیں نے کوئی نوٹس نہیں لی۔ کیا کسی قوم اور جماعت کے قائدین کے کان اس قدر بہرے اور بے حس ہو جائیں تو ان سے کسی خیر کی توقع کی جا سکتی ہے؟

اہم ترین سوال یہ ہے کہ آل انڈیا مومن کانفرنس کو موجودہ جمود سے نکالنے اور اسے دوبارہ فعال بنانے کی کیا تدبیر کی جائے؟

اس بنیادی سوال کا ایک اُصولی جواب تو یہ ہے کہ تنظیم اور تحریک پچاسوں برس کے نشیب و فراز اور تجربات سے مالا مال ہے۔ ہم اس کے ماضی میں جھانک کے دیکھ لیں کہ

اس کے دورِ عروج کے بنیادی اسباب کیا تھے۔ اگر عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان اسباب کو دوبارہ فراہم کر لیا گیا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اتنی بڑی تحریک چلتے ہوئے مسائل کے درمیان یوں بے حس و حرکت پڑی رہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کوئی جاندار تنظیم اپنے اغراض و مقاصد کے پیشِ نظر افراد کی تربیت اور کردار سازی کے بغیر میدان عمل میں زیادہ دنوں تک ٹک نہیں سکتی۔ عاصم بہاری اور ان کے مخلص احباب بیسیوں برس تک اتنی بڑی تحریک کو ایسے ہی باکردار، بے نفس، جانثار اور دیانتدار افراد کا گروہ بنا کر چلاتے رہے، ہر شہر، محلہ اور دیہات میں جہاں لائبریریاں قائم کیں۔ ان لائبریریوں اور وہاں کی مسجدوں میں مخلصوں کا ایک گروہ ہفتہ وار یا پندرہ روزہ اجتماعات کر کے قرآن و سنّت، تاریخ اسلام حالات حاضرہ اور تنظیمی مسائل پر اظہارِ خیال کیا کرتا۔ سال چھ ماہ کی مسلسل نشستوں کے بعد ان ہی میں سے تربیت یافتہ افراد کی ایک ٹیم تیار ہو جاتی۔ یہی ٹیم تنظیم کی ایک مستقل یونٹ بن جایا کرتی۔ پھر اسی ٹیم کے مختلف افراد کی صلاحیتوں کے پیشِ نظر ان کے ذمہ مخصوص کام کر دیئے جاتے جو وقت اور حالات کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کے اپنے کارِ منصبی کو ضرورت کے لحاظ سے آگے بڑھاتے رہتے تھے حسب ضرورت کہیں تعلیم بالغاں، کہیں تعلیم نسواں، کہیں عمومی تعلیم، کہیں صنعتی و فلاحی ادارے اور مختلف قسم کے کوچنگ سنٹر قائم کر دیئے جاتے۔ ان تمام علمی تربیتی مراحل میں دینی بنیادوں کو بانیٔ تحریک کبھی نظر انداز نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ اس کے بغیر کسی تنظیم یا ذمہ داری کے لیے مطلوبہ صفات اور کردار کا حصول نہ کبھی ممکن تھا اور نہ آج ممکن ہے یہی چھوٹی بڑی یونٹیں تنظیم و تحریک کے دست و بازو ہوا کرتی ہیں۔ جنھیں ایک مرکزی نظام کے تحت جوڑ کر ایک عظیم طاقت کی شکل میں ڈھالا جاتا ہے۔ اس پتہ مار اور صبر آزما کام

کے بغیر دستور کے نئے نئے سُنہرے بول عملی زندگی میں کچھ کام نہیں آتے۔

ریاستی یا مرکزی قیادت کے لئے ضروری ہے کہ وہ براہ راست اقتداری سیاست میں ملوث نہ ہو۔ البتہ ان کی قیادت کی سکنڈ لائن کو اس غرض کے لئے ہمیشہ تیار کیا جانا چاہیئے۔ اس وقت کی ایک بڑی الجھن یہ ہے کہ حکمراں سیاسی جماعت کی اندھی تقلید میں ہم اپنی تنظیم اور اقتداری سیاست کے گٹھ جوڑ سے تحریک کا خون کر دیتے ہیں۔

عبدالقیوم انصاری صاحب مرحوم کے وقت سے آج تک یہ غلطی بار بار دُہرائی جا رہی ہے اور ہم بار بار اس کے مزے بھی چکھ رہے ہیں اب بھی وقت ہے کہ اپنی پوری کارکردگی کا نئے سرے سے جائزہ لیں اور اپنے لائحہ عمل کی روشنی میں واضح طریق کار متعین کریں۔

چنانچہ آل انڈیا مومن کانفرنس کے ماضی و حال اور منظر و پس منظر پر نئے سرے سے غور و فکر کے لئے ہم اصحابِ فکر سے اپیل کرتے ہیں کہ خاصا وقت گذر چکا، اب بھی ہم اپنے اپنے بسم اللہ کے گنبد سے نکلیں اور موجودہ مایوس کن صورتِ حال کو بدلیں ورنہ یہ سیاسی گرگے ہمیں دن دھاڑے بیچ کھائیں گے۔

تلخیص

تاریخ المنوال واہلہ جلد اول ودوم

مؤلفہ

مولانا عبید اللہ مبارکپوری

تاریخ ہند کا عجوبہ پن

ہندوستان کے تاریخی عجائبات میں سے ایک عجیب وغریب حقیقت یہ بھی ہے کہ آریائی تہذیب نے اس ملک میں اُبھرنے والی یا بیرون ملک سے داخل ہونے والی ہر نئی تہذیب وتحریک اور اس کے مقاصد کو غیر شعوری طور پر بتدریج آریائی رنگ وروغن اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بودھ، جین، عیسائی اور سکھ مذاہب کی تحریک ہو یا ماضی قریب کی سیاسی بیداری اور اس کی لہریں صدیوں کے عمل دخل کے بعد ان مذہبی وغیر مذہبی تحریکات کو آریائی غلاف نے اس طرح ڈھک لیا کہ ان کے اصلی خدوخال کو اُجاگر کرنا آج تحقیق وتلاش کا ایک مشکل ترین مسئلہ بن چکا ہے۔

مسلمانوں میں ذات پات

آج سے تقریباً ایک ہزار سال قبل مسلم صوفیا، مجاہدین اور تاجروں کے ذریعہ خشکی وتری کی راہ سے مسلمانوں اور ان کی اسلامی تہذیب کا اس ملک میں نفوذ شروع ہوا تو پہلے مرحلے میں اس کی سخت مخالفت اور مدافعت کی گئی۔ مگر اہل اسلام نے اس ملک کو جب اپنا وطن بنا لیا تو اس ملک کی قدیم تہذیب کے ممالک نے اسلامی تہذیب کو بھی رفتہ رفتہ تحلیل کرنا شروع کیا۔ صوفیا، فقرا، علماء اور مدبروں کے ایسے ایسے گروہ پنپنے لگے جنھوں نے اسلامی اور ویدک اُصولوں کی بنیاد پر حضرت محمد مصطفٰیؐ کو ایک اوتار تسلیم کر لیا اور دونوں مذاہب کے بعض اُصولوں کے ملغوبے سے ایک تیسری چیز بنانا شروع کر دیا۔ طرح طرح کے قدیم ہندی توہمات، فرسودہ عقائد اور ضعیف الاعتقادیوں نے مسلمانوں کے یہاں بھی مختلف بھیس میں اُبھرنا شروع کیا۔ انہیں خرابیوں اور بیماریوں میں ذات پات کی لعنت نے رفتہ رفتہ مسلمانان ہند کو بھی مختلف دھڑوں میں بانٹنا اور کاٹنا شروع کر دیا۔ یہانتک کہ انیسویں صدی تک آتے آتے جاگیرداری، زمینداری اور انگریزوں کی دورنگی پالیسی نے کلّ مومن اخوۃٌ اور وحدت آدم کے نام لیواؤں میں بھی برہمنیت کے جراثیم بھر دیئے اور سارے جہاں کے مسلمانوں سے مختلف یہاں سیّد، شیخ، پٹھان اور جولاہے، دُھنئے کا مفہوم کچھ اور ہو گیا۔ باہمی تعارف کے بجائے یہ عزّت اور ذات کا معیار بن گیا۔ جس اسلام نے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقٰکُمْ کی تعلیم پیش کی تھی اس کی کسوٹی ذات کی بلندی اور بڑائی بن گئی۔ یہ مرض اس قدر وبائی شکل اختیار کر گیا کہ اچھے خاصے دانشور، علماء اور سیاسی رہنما بھی اس چھوت کی

بیماری سے اپنا دامن نہ بچا سکے نتیجہ یہ ہوا کہ تقریر و تحریر، تصانیف اور اسکیموں کی تربیت میں بھی اس بدعت نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا۔

اسلام کی خصوصیت

دنیا کے دوسرے مذاہب کے برخلاف اسلامی نظام زندگی کی ایک حیرت انگیز خوبی یہ بھی ہے کہ زیادہ عرصہ تک کوئی خرابی اس کے نظام اساسی کو متاثر نہیں کر سکتی۔ بیماری ابھی پوری طرح جڑ بھی نہیں پکڑ پاتی ہے کہ قرآن و حدیث اور تاریخ اسلامی کی متحرک بنیادوں پر کوئی مجدد، مصلح یا صاحب نظر مجاہد اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور وقت کے ان فاسد مادّوں کو خوردبینی نگاہ سے دیکھ دیکھ کر ایک ایک کر کے انہیں چھانٹنا شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ یہ مضمحل مریض دوبارہ تندرست و توانا ہو کر عصری مسائل اور ان کے چیلنج کو قبول کر کے انسانیت اور ملت کی گاڑی کو ایک منزل اور آگے بڑھا لیتا ہے۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا اگر گہرا مطالعہ کیا جائے تو محمد بن قاسم کے عہد سے لے کر آج تک مجدّدین و مصلحین کے کارناموں کے انمٹ نقوش واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

اُنیسویں صدی کی انقلاب انگیزی

گذشتہ صدی ہندوستان کی تاریخ میں ہمہ گیر انقلاب انگیزیوں کی تاریخ رہی ہے۔ یورپ اور ایشیا کے مختلف انقلابات اور تحریکات اور تبدیلیوں نے اس برصغیر میں بھی ہلچل پیدا کر دی تھی۔ ہندوستانی ذہن میں اضطراب پیدا ہو چکا تھا

اور پورا ملک ایک فکری و سیاسی جست کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ تغیر و تبدل کی اس فضا سے مسلمانان ہند کا متاثر ہونا بالکل فطری تھا۔ چنانچہ مختلف سطحوں پر ان کے درمیان بھی حرکت اور بیداری کی لہر پیدا ہونے لگی۔ ملک کی برہمنی اور ذات پات کی فضا سے مسلمانوں کی اکثریت چونکہ "پسماندہ اور پنچ ذات" سے تعلّق رکھتی تھی اس لئے ان کے سواد اعظم کا دانشور طبقہ اس صورتحال پر سب سے زیادہ متفکر ہوا اور نئے متحرک احوال و کوائف میں خود کو بیدار کر کے پوری آبادی کو جگانے اور ہوشیار کرنے کے کام میں لگ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ پورے ملک میں دیکھتے ہی دیکھتے برادران وطن کی طرح مسلمانان ہند کے مختلف طبقے اور گروہ بھی متحرک اور بیدار ہونے لگ گئے۔ قرآن و سنّت اور تاریخ اسلام کی بنیاد پر نئے زمانے کے چیلنجوں کو قبول کرتے ہوئے اکابرین ملت نے معاشرتی لعنتوں کے خلاف ایک خاموش جنگ چھیڑ دی۔ نہایت اہم دینی و تحقیقی اور سائنٹفک تحریروں کے ذریعہ عالم اسلام کے دیگر ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی بیداری اور اصلاح کی ایک نئی فضا قائم ہونے لگی۔

انقلابی کتاب

اوائل بیسویں صدی میں بالعموم پسماندہ مسلمانوں اور بالخصوص انصاریوں کو جس کتاب نے سب سے زیادہ بیدار اور متحرک کیا وہ مولانا عبید اللہ مبارکپوری[1]

---

[1] میں نے حضرت مولینا عبید اللہ صاحب مبارکپوری شیخ الحدیث زاد اللہ فیوضہم۔ شارح کتاب مشکوٰۃ المصابیح مسمّی بہ مرعاۃ المصابیح سے مولینا امام الدین رام نگری کی تحقیق کے بارے میں (بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

کی ایک تاریخ ساز کتاب کتاب التمدن (یا تاریخ المنوال و اہلہ) ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے ہندوستان گیر پیمانے پر انصاریوں کو منظم ہونے پر اکسایا اور آل انڈیا مومن کانفرنس کا ایک دھندلا سا خواب دکھایا اور جو اپنا تاریخی رول ادا کر کے آج تقریباً نایاب بلکہ گمنام ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود اس بلند پایہ تصنیف کی آواز بازگشت اب بھی مصلحین قوم کی تحریروں میں گونجتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ مومن تحریک کے ایک بزرگ ترین قائد مولانا امام الدین رام نگری صاحب اس تصنیف کے متعلق رقمطراز ہیں:

" اس کتاب نے برادری میں خود شناسی، خودداری، حرکت اور بیداری پیدا کی اور اسے بتایا کہ اسلام کی رو سے یہ برادری کسی قوم سے کم رتبہ نہیں ہے۔ اسلام اخوت اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے "

راقم الحروف نے خدا بخش خاں لائبریری میں اس کتاب کو دیکھا ہے۔ سرورق پر اس طرح لکھا ہے:

(صفحہ ۲۵ کا بقیہ فٹ نوٹ) ——————

دریافت کیا کہ کیا "تاریخ المنوال و اہلہ" کے مولف آپ کے والد مولینا عبدالسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے تو حضرت مولینا نے اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲۲ رفروری ۱۹۸۴ء میں بالفاظ وضاحت فرمائی ہے۔

"آپ نے کتاب التمدن (تاریخ المنوال و اہلہ) کے اصل ماخذ یعنی کتاب التمدن کے مصنف کے نام کے اندراج کے سلسلے میں اپنا جو خیال ظاہر کیا ہے وہی ٹھیک ہے یعنی جس طرح کتاب التمدن فی تاریخ المنوال و اہلہ، مطبوعہ ۱۹۱۲ء میں مصنف کا نام عبیداللہ لکھا ہوا ہے اُس کی تلخیص میں بھی عبیداللہ ہی لکھنا چاہیئے" کتاب کے اصل مصنف، دراصل مولانا عبدالسلام صاحب مبارکپوری مولف سیرۃ البخاری ہیں جیسا کہ مولینا عبیداللہ صاحب نے اپنے خط میں تحریر فرمایا ہے مرحوم نے کسی مصلحت سے اپنے صاحبزادے (مولینا) عبیداللہ صاحب کا نام بطور مولف چھپوا مناسب سمجھا۔ بکیم خباب

"کتاب التمدن کا جز ثانی تاریخ المنوال و اہلہ (پارچہ بافی کی مفصل تاریخ جس میں سیکڑوں تاریخی باتیں قابل دید لکھی گئی ہیں) حصہ اوّل و دوم"

اس کتاب کی تکمیل میں نہایت اہم اور نادر قلمی اور مطبوعہ کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ مرتبہ خاکسار عبیداللہ مبارکپوری عفی عنہ در مطبع احمدی واقع مغل پورہ، دہلی (؟) بار اوّل قیمت ایک روپیہ (عـ/) کتاب بڑی تقطیع میں ہے دونوں حصے ایک ساتھ مجلد ہیں ہر حصہ میں ۱۱۳ صفحات ہیں پوری کرم خوردہ ہے۔ افسوس یہ ہے کہ مصنف نے کہیں پر سال تصنیف کا اندراج نہیں کیا ہے۔ مگر جا بجا داخلی شہادتوں ور لائبریری میں نئی نئی کتابوں کے اضافہ کی تاریخ سے اندازہ کرنا غلط نہ ہوگا کہ یہ قابل قدر تصنیف ۱۹۱۲ء میں مکمل ہو گئی تھی۔

دانشورانِ اسلام

"تمہید مقدمہ" ۸ صفحات میں ہے جس میں تمدنی زندگی کے لوازمات میں علم اور درس و تدریس پر سب سے زیادہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد اسلامی تاریخ کے حوالہ سے تقریباً ۷۰-۷۵ اسلامی مدرسوں اور دارالعلوموں کا نام گنانے کے بعد متقدمین و مورخین، سیاحوں اور جغرافیہ دانوں میں سلیمان سیاح (المتوفی ۲۳۷ھ) ابوزید بلخی ابن فضلان (تیسری صدی ہجری) ابو اسحاق اصطخری محمد جیہانی، ابوالفرج بغدادی، ابن حوقل مسعودی (چوتھی صدی ہجری) بیرونی فلکی (۵ ویں صدی ہجری) شریف ادریسی (چھٹی صدی ہجری) یاقوت حموی، ابوالفدا ابن بطوطہ اور بغوی (آٹھویں صدی ہجری) کا تذکرہ ادا کیا ہے۔ کیونکہ پوری تصنیف (بالخصوص جلد اوّل) میں مصنف نے انہیں بزرگوں کی تصانیف سے گرانقدر مواد اکٹھا کیا ہے اور عربی و فارسی کے اصل متن (مع ترجمہ) کے جا بجا طویل حوالے بھی دیئے ہیں۔

تمدنِ انسانی کے تین مدارج

ابتدائی حصے میں ابن خلدون کے حوالے سے انسانی تمدن کے مدارج ثلثہ میں (۱) ضروری (۲) کمالی (۳) حاجی کی وضاحت کرنے کے بعد عقلی اور سائنٹفک دلائل سے محنت، مزدوری اور صنعت وحرفت کی ضرورت واہمیت کو پیش کیا ہے مقاماتِ حریری[1] اور ابن خلدون کے حوالے سے روزی حاصل کرنے کی چار صورتوں (امارۃ، وتجارۃ، وفلاحۃ، وصناعۃ) میں سے آخری تین صورتوں یعنی تجارت[2]، زراعت، اور صنعت وحرفت کو مقدم بتایا ہے۔

کاشتکاری کی تمدنی اہمیت کو بتانے کے بعد مصنف نے صنعت وحرفت میں خصوصیت کے ساتھ دستکاری کی ایک عالمانہ اسلامی تاریخ پیش کردی ہے۔ اس سلسلے میں "رسالہ کسب الانبیا" مصنفہ مولانا شہود الحق عظیم آبادی اور "حرفۃ الانبیا" مصنفہ مولوی نور محمد صاحب بلیاوی کے حوالے سے بھی کام لیا ہے۔ جابجا انگریزوں کی موجودہ سائنسی اور مسلم خلفا وسلاطین کے عہد کی سائنسی ترقیوں کی تفصیل پیش کرکے اپنے دلائل کو مستحکم بنایا ہے۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

دستکاری کی دینی اہمیت

"ہر صنعت (یا دستکاری) ایسی شئے ہے کہ اس کی قدر ومنزلت

[1] کتاب التمدن، حصہ اول۔ عبید اللہ مبارکپوری، صفحہ ۱۲۔

[2] بمعنی ملازمت، زمینداری یا جاگیرداری۔

خداوند عالم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وخلفاء راشدین سب نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد پیغمبرؑ کی مدح میں فرمایا "وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم" یعنی منجملہ اور احسان کے ایک احسان حضرت داؤد پر یہ کیا گیا کہ ان کو تمہارے لئے لباس (زرہ) کا بنانا سکھادیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خیر الکسب من اعمال الید" اچھی کمائی وہ ہے جو ہاتھ کی محنت سے ہو۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قیمۃ المرء بالحسن یعنی ان صناعتہ ھی قیمۃ" (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۸۲) اس لئے ہم کو صنعت کی خوبی اور اس کی قدر ومنزلت ثابت کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ جب خداوند عالم اور اس کے رسول، اور تمام مخلوق نے صنعت کی مدح سرائی کی ہے تو ہم اور ہماری زبان کیا[1]"

ان کے علاوہ موصوف نے حضرت جمال الدین افغانی، جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال، مفتی عبدہ، بیرسٹر عبدالقادر بی۔ اے ایڈیٹر مخزن وغیرہ کی تحریروں کے بھی اقتباسات پیش کئے ہیں۔ ان تمام حقائق کے باوجود مسلمانوں کی ذہنی غلامی پست ہمتی اور محنت ومشقت سے جان چرانے کی کیفیت ہی نے مصنف کو اس قابل قدر تصنیف کی ترتیب پر آمادہ کیا لکھتے ہیں:

[1] کتاب التمدن حصہ اول صفحہ ۱۸-۱۷

ایشیا کی غلامی کا سبب

"اہل ایشیا اس صنعت و حرفت کی بدولت یورپ کے غلام ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے ذی عہدہ اپنے عہدوں سے مستعفی ہو کر صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہو چلے ہیں۔ مسلمانوں کو بالخصوص اس طرف بزور متوجہ کیا جاتا ہے اس لئے کہ ان کے دماغ میں رفاہیت پسندی، تکلف بھرا ہوا ہے۔ محنت سے گریز، صنعت و حرفت سے عار، صنعت و حرفت کو ذلیل سمجھنا، اس سے نفرت کرنی گویا مسلمانوں کی طبیعت ثانی بن گئی۔ ان وجوہات سے مجھے بھی جرات ہوئی کہ تمدن کے اس خاص شعبہ (صنعت و حرفت) کے متعلق کچھ عرض کروں۔"[1]

بے موقع نہ ہوگا اگر اس موقع پر مفکر اسلام علامہ اقبال کے ایک اہم مضمون کی ایک عبارت پیش کر دی جائے جو موصوف نے مخزن اکتوبر ۱۹۰۴ء میں "قومی زندگی" کے زیر عنوان شائع کرایا تھا:

"جب تک ہندوستان صنعتی ملک نہ ہوگا اور ہم جاپانیوں کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوں گے۔ اس وقت تک قدرت ہمیں قحط کے تازیانے لگاتی رہے گی۔ طرح طرح کی وبائیں ہمیں ستاتی رہیں گی۔ جس سے ہم جسمانی اور اخلاقی لحاظ سے ضعیف و ناتواں ہوتے جائیں گے۔ اقوام ہند میں سے ہمارے ہندو بھائیوں نے اس راز کو کسی قدر سمجھا ہے۔

---

[1] کتاب التمدن حصہ اول صفحہ ۱۸-۱۷-

اور چونکہ یہ لوگ بالطبع اس کام کے لئے موزوں بھی ہیں اس واسطے یقیناً ان کے لئے اپنے ترقی کا ایک وسیع میدان ہے لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر اس اعتبار سے مسلمانوں کو دیکھا جائے تو ان کی حالت نہایت مخدوش نظر آتی ہے۔ یہ بدقسمت قوم حکومت کھو بیٹھی، صنعت کھو بیٹھی، تجارت کھو بیٹھی۔ اب وقت کے تقاضوں سے غافل اور افلاس کی تیز تلوار سے مجروح ہو کر ایک بے معنی توکل کا عصا ٹیکے کھڑی ہے۔ اور باتیں تو نیز ابھی تک ان کی مذہبی تنازعوں ہی کا فیصلہ نہیں ہوا۔ آئے دن ایک نیا فرقہ پیدا ہوتا ہے جو اپنے آپ کو جنت کا وارث سمجھ کر باقی تمام نوع انسانی کو جہنم کا ایندھن قرار دیتا ہے۔ غرضکہ ان فرقہ آرائیوں نے خیر الامم کی جمعیت کو کچھ ایسی بری طرح منتشر کر دیا ہے کہ اتحاد و یگانگت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"[1]

پوری تصنیف اس بات کی شاہد ہے کہ مصنف محض کرم کتابی نہیں بلکہ ماضی اور حال کی اپنی اور غیروں کی عبرتناک تاریخ پر بھی غائر نظر رکھتا ہے۔ چونکہ موصوف جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم اور اس تحریک کے ایک سرگرم کارکن تھے اس لئے پوری تحریر تحریکی اسپرٹ اور قومی و ملی درد سے معمور نظر آتی ہے۔ موصوف نے پوری صفائی اور خلوص کے ساتھ اپنے دلی احساسات و جذبات کو بھی جا بجا پیش کر دیا ہے۔

---

[1] مضامین اقبال - مرتبہ تصدق حسین تاج - احمدیہ پریس چار مینار - حیدر آباد دکن، ۱۳۶۲ھ، صفحہ ۳۷-

ذات پرستی

"ہم کو اس تحریر پر بعض ان مسلمانوں کے مشیخت نے اور بھی مستعد کیا جن کے لئے یہ مثل مشہور ہے 'گھر میں بھونی بھانگ نہیں میاں چلے حج کو۔' فاقوں پر فاقہ ہے۔ نہ تن کو کپڑا ہے نہ پیٹ کو روٹی 'میر صاحب' 'شیخ صاحب'، 'خاں صاحب' کہلاتے ہیں اور کسی امیر کے دربار کی خدمتگاریاں کرتے ہیں، چلم بھرتے ہیں، ہاتھ دھلاتے ہیں۔ اس سے بھی ذلیل ذلیل کام کرتے ہیں۔ بسا اوقات ڈھاڑی بھڑوے کا کام کرتے ہیں۔ رنڈیوں کی دلالی کرتے ہیں۔ اس سے بھی ناپاک کام کرتے ہیں لیکن ان کو کسی صنعت اور دستکاری کے سیکھنے سے اور کسی تجارت یا دوکان کھولنے سے ایسی ہی عار اور اسی قدر ننگ ہے کہ نام لینے سے بھی پڑھ جاتے ہیں[1]۔"

احساسِ کمتری

اس کے بعد پٹنہ کے ایک دوست کا حال بیان کیا ہے کہ انہوں نے جوتے تیار کرانے کا کارخانہ کھولا آٹھ روپے ماہانہ وظیفہ کے ساتھ مسلمان کاریگروں کی تلاش کی مگر انہیں کامیابی نہ ہوسکی جبکہ امرا اور زمینداروں کے گھر پر روپیہ ڈیڑھ روپیہ کی اُجرت پر بہت سے غربا اُگالدان صاف کرنے کا کام شوق سے کرتے ہیں کچہریوں میں جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں۔ شراب اور سود کے کاروباری اداروں میں ملازمتوں کے

[1] کتاب التمدن، حصہ اول، صفحہ ۲۰ - ۱۹ -

سلسلے میں انہیں دیتے ہیں۔ موصوف نے علامہ ابن خلدون کے ان دو اہم جملوں کی معنویت پر بار بار زور دیا ہے:

الخدمة ليست من الطرق الطبيعية للمعاش

(نوکری فطری طریقہ تحصیل رزق نہیں ہے)

اما الامارة فليست طريقة طبيعية للمعاش

(لیکن امارت (زمینداری) یہ بھی فطرتی طریقہ تحصیل معاش کا نہیں ہے[1])

مگر اس کے برخلاف ذہنی کجروی کا یہ حال ہوا کہ دستکاروں، صنعت کاروں اور مشقت کرنے والوں کو سماج نے ذلیل نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا۔ اس صورتحال نے بھی مصنف کو مضطرب کیا۔ اس سلسلے میں وہ ہندوستان کے انصاریوں کی مکمل رپورٹ مرتب کرتے وقت اپنا تاثر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"یہ کام نہایت اہم اور نہایت مشکل ہے بالخصوص ہندوستان کے عرفی شرفا کی رعونت اور حسد نے اور ان کے دانت پیس پیس کر زبان چبا چبا کر باتیں بنانے اور افسانوں کی ایجاد نے اور بھی اشکال کا اضافہ کر دیا اور کچھ ان حضرات شیخ انصاریوں کی انکساری کو بھی اس میں دخل ضرور ہے۔ جیسا کہ حصہ اول میں اخبار وکیل کے نامہ نگار کی تحریر سے واضح ہوتا ہے[2]۔"

[1] کتاب التمدن، حصہ اول، صفحہ ۲۱ -

[2] " حصہ دوم، صفحہ ۱۷ -

اس ذہنیت نے محنت کش طبقوں کو اس قدر احساس کمتری میں مبتلا کر دیا کہ ایسے غربا جب تعلیم اور ملازمتیں حاصل کرنے لگے تو خود کو انصاری، راعین یا اس طرح کی اپنی "پسماندہ برادری" کو حتی الوسع چھپانے کی کوشش کرنے لگے۔

"اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس قوم (پسماندہ از قسم انصاری) کے نوکری پیشہ اصحاب اپنے کو اس قوم سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی اور قوم تبدیل کرنا چاہتے ہیں یہ نہایت افسوسناک امر ہے[1]۔"

احساسِ برتری

اس گندی ذہنیت اور خود ساختہ معیار شرافت و رذالت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں بہت سی برادریوں اور گروہوں نے نکمّا پن اور دھوکا دھڑی کو اپنا پیشہ بنا لیا کیونکہ "عزت دار ذات" سے نسبت کے بعد وہ خود کو تمام اخلاقی پابندیوں سے آزاد سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اس ضمن میں مصنف نے پروفیسر آرنلڈ کی مشہور زمانہ تصنیف "دی پریچنگ آف اسلام (دعوت اسلام)" اور علامہ ابن السلام کے حوالہ سے مغروروں اور احساس برتری کے شکار اونچی برادری کی بعض ذاتوں کا مخلصانہ مگر تنقیدی مطالعہ بھی پیش کیا ہے "ہندوستان کے شاہ صاحب[2]" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

---

[1] کتاب التمدن، حصہ اول، صفحہ ۴۸۔

[2] " حصہ دوم، صفحہ ۹۹۔

"اگر مسلمان جو بلا محنت روزی کمانا چاہتے ہیں وہ شاہ صاحب بن جاتے ہیں۔ کچھ کاکلیں بڑھا لیتے ہیں۔ معشوقہ (جو خاص شاہ صاحبوں کا چادر نما عبا ہے) پہن لیتے ہیں۔ کچھ درود و وظائف پڑھتے ہیں، کچھ آنکھیں بند کرتے ہیں، کچھ تعویذیں دیتے ہیں، کچھ مرید بھی کرتے ہیں (وعظ بھی کہنے لگے تو سبحان اللہ)...... ایسے تو شاہ صاحب کی زیادہ کثرت ہے کیونکہ یہ روزی بڑی آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے اور عزت کی عزت بھی۔"

ابن خلدون کی رائے

محنت سے جان چرانے اور محنت و مشقّت کو ذلیل سمجھنے کی نفسیات کو ابن خلدون نے اُصول تمدّن کی روشنی میں بڑے دلچسپ انداز میں واضح کیا ہے۔ دکھایا ہے کہ بالعموم انسان اول تو سہل انگاری کی طرف مائل ہے دوسرے حصول علم و دولت کے بعد محنت کش طبقے آبائی پیشے کو ترک کر کے دوسرے "عزت دار" پیشوں کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں۔ تیسرے محنت کش طبقہ بھی اپنی کم علمی، توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے "شاہ صاحبوں" اور "عرفی شرفا" کے مکر و فریب کا بہت جلد شکار ہو جاتا ہے۔

علماء کا جُرم

ان سب پر مستزاد یہ کہ بعض بے سمجھ حاسدین نے اس طرح کی حدیثیں بھی گڑھ ڈالیں اور خود کو برسرِ حق ثابت کرنے کے لئے رسول کریمؐ کی ذات اقدس پر جھوٹے

الزام لگائے اور خیالی شرافت کے نشہ میں وہ دین و دنیا کے خسران میں بھی مبتلا ہوئے۔ چنانچہ مولانا موصوف نے ایک جگہ کھول کے لکھ دیا ہے:

"اب تم امام بخاری، ملا علی قاری، امام شوکانی وغیرہ کی موضوعات (من گھڑت احادیث) کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ ان عرفی شرفا نے حضرات شیخ نوربافان (انصاریوں) کی ہجو میں کس قدر حدیثیں بنائیں اور ان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیں۔"[1]

چنانچہ رفتار زمانہ کے ساتھ صدیوں میں "جولاہہ" "کنجڑا" "دھنیا" وغیرہ کو علی الاعلان ذلیل و رسوا کرنے کی ایک غیر شعوری فضا پورے ملک میں قائم ہوتی چلی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اچھے خاصے ثقہ اور سنجیدہ مورخوں، مصلحوں اور علماء تک کی تقریر و تحریر میں ان پیشہ وروں کی ذلت و رسوائی کے کلمات محاورات اور تشدد آمیز الفاظ استعمال ہونے لگ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ فاضل مصنف کو قرآن و حدیث اور

ہمہ گیری

اسلامی تاریخ کے حوالہ سے اسلامی مساوات، مختلف پیشوں کی عظمت اور بالخصوص کپڑوں کا بننا، تجارت کرنا، سوت کاتنا وغیرہ جیسے کاموں کی حقیقت و ماہیت کو انتہائی تفصیل اور لاتعداد دلائل و اعداد و شمار کے ساتھ پیش کرنا پڑا۔ موجودہ سائنٹفک، کاروباری اور مادی فضا میں ممکن ہے کہ ان دلائل کو آج کا قاری زیادہ اہمیت نہ دے کیونکہ اب وہ حقائق یوں بھی دنیا نے تسلیم کر لئے ہیں مگر جس من مانے ماحول شرافت و ذلت اور ظالمانہ فضا میں ان حقائق کو بتکرار پیش کیا گیا ہے ان میں آج بھی بڑا وزن اور وقار ہے

[1] کتاب التمدن، حصہ دوم، صفحہ ۸۸۔

اور انہیں رد کرنا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ موصوف نے قرآن، حدیث، تاریخ، عصری ماحول، منطق، تمدنی علوم، اعداد و شمار اور عصری سائنٹفک دلائل سے ہر مقام پر کام لیا ہے۔

مساوات

اس گمراہ کن ذہنیت کے تزکیہ و تربیت کے لئے مولانا عبیداللہ نے قرآنی دلائل، وحدت آدم، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ، إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ، غلام ابن غلاموں کی سرداری و سپہ سالاری، اور زراعت و پارچہ بافی کی دینی و دنیوی حیثیت و اہمیت کو دونوں حصوں میں باوضاحت پیش کیا ہے:

اکابرین اسلام کے پیشے

اس کے علاوہ رسول کریم کا پیشہ تجارت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بکریاں چرانا، حضرت ابوبکرؓ کا بازار میں سودا سلف کرنا، حضرت علیؓ کا جنگل سے گھاس کاٹ کر لانا اور لوہاروں کے ہاتھوں فروخت کرنا، حضرت ام المومنین زینبؓ کا چمڑے رنگنا اور جوتے گانٹھنے کے کام کو کرنا بطور مثال پیش کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں عبرت کے لئے چند بزرگوں کے ناموں کی فہرست مع ان کے پیشے اور صنعت یکجا کر کے لکھ دیا ہے:

نام بزرگ	پیشہ	نام بزرگ	پیشہ
امام ابوبکر اسکافؒ[1]	موچی	محدث ابوصالحؒ	گھوسی

[1] کتاب التمدن، حصہ ، صفحہ ۲۸۔

نام بزرگ	پیشہ	نام بزرگ	پیشہ
ابوالخیر تیناتی صوفی	زنبیل باف	ابو بکر خباز،	نانبائی
اسماعیل بن احمد خواص،	زنبیل باف	امام اعظم ابوحنیفہ،	خزاز کپڑا فروش
امام جوزی محدث، عالم	ٹھٹھیرے	حضرت زکریا ؑ،	بڑھئی
ابراہیم بن ثابت	دھوبی	ابوالحسن نجار،	بڑھئی
قصار صوفی،	دھوبی	ابو ایوب انصاری، مشہور صحابی	نوربافہ
سعید بن مرزبان مولٰی،	سبزی فروش		نور باف یا بنکر
ابوحفص صوفی، حداد	لوہار	حسین بن منصور حلاج،	دھنیا

چنانچہ عہد وسطٰی تک بہتیرے علماء و صوفیاء کے نام کے آگے ان کے پیشے کے اعتبار سے کسی نہ کسی صنعت و حرفت کا نام بطور لقب عام تھا مثلاً قفال، غسّال، بزاز، خزاز، نساج، دباغ، خیاط، قصار وغیرہ۔

اخوّتِ اسلامی

مصنّف نے اتنے ہی پر بس نہیں کیا ہے بلکہ اسلام کے قانون مساواۃ[1]، مساواۃ عمومی[2]، مساواۃ خصوصی[3]، قانون ترجیح و قانون فضیلت[4]، مساواۃ اسلامی[5]، قانون مساواۃ[6] عقل وغیرہ جیسی دینی و علمی ذیلی سرخیوں کے زیر عنوان بھی مفصل دلائل سے اعلیٰ و ادنٰی مسلم برادریوں کے احساس برتری اور احساس کمتری دونوں کے بیک وقت

[1] کتاب التمدن، حصہ ، صفحہ ۹۹، [2] صفحہ ۱۰۰، [3] صفحہ ۱۰۱، [4] صفحہ ۱۰۲، [5] صفحہ ۱۰۲، [6] صفحہ ۱۰۷۔

ازالہ کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔

ایک مکالمہ

"علامہ ابن الصلاح محدّث، جن کی مشہور کتاب "مقدمہ ابن صلاح" اُصول حدیث میں بڑی معتبر مانی جاتی ہے۔ اس بارے میں (قانون ترجیح و قانون فضیلت) امام زہری اور بادشاہ وقت عبدالملک کا ایک مکالمہ باسند نقل کیا ہے جس کو ہم یہاں ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج ذیل کرتے ہیں:

زہری کہتے ہیں کہ میں عبدالملک بن مروان کے پاس پہونچا تو اس نے مجھ سے پوچھا "زہری تم کہاں سے آرہے ہو؟"

زہری: "مکّہ سے"۔

عبدالملک: "تم نے وہاں کس کو سردار و پیشوا چھوڑا؟"

زہری: "عطا ابن رباح کو"

عبدالملک: "عطا ابن رباح عرب ہے یا غلام (عجمی)؟"

زہری: "عطا غلاموں سے ہے"

عبدالملک: "عطا غلام ہو کر سردار و پیشوا کیونکر ہو گیا؟"

زہری: "بالدیانۃ والروایۃ" دینداری اور حدیثوں کی روایت کی وجہ سے"

عبدالملک: "اھل الدیانۃ والروایۃ ینبغی ان یسودو" (بلاشبہ اہل دین واہل روایت ضرور سرداری کے لائق ہیں)

عبدالملک۔ "یمن کا سردار کون ہے؟"

زہری۔ "طاؤس بن کیسان ہیں۔"

عبدالملک۔ "عرب ہیں یا غلام (عجمی)؟"

زہری۔ "عجمی غلام۔"

عبدالملک۔ "پھر غلام سردار و پیشوا مسلمانوں کا کیونکر ہو گیا؟"

زہری۔ "جس وجہ سے عطا بن رباح سردار و پیشوا ہوئے۔"

عبدالملک۔ "ضرور ایسا ہی مناسب ہے۔"

عبدالملک۔ "زہری! مصر والوں کا سردار و پیشوا کون ہے؟"

زہری۔ "یزید بن حبیب۔"

عبدالملک۔ "یزید بن حبیب عرب یا غلام عجمی؟"

زہری۔ "غلام ہیں۔"

عبدالملک۔ "اور شام والوں کا سردار و پیشوا کون ہے؟"

زہری۔ "مکحول ہیں۔"

عبدالملک۔ "غلام ہیں یا عرب؟"

زہری۔ "غلام ہیں۔ نوبی قوم سے قبیلہ ہذیل کی ایک عورت نے انہیں آزاد کیا تھا۔"

عبدالملک۔ "اہل جزیرہ کی سرداری کس کے سر ہے؟"

زہری۔ "میمون بن مہران کے۔"

عبدالملک۔ "میمون غلام ہے یا عرب؟"

زہری۔ "غلام ہیں۔"

عبدالملک۔ "خراسان والوں کا سردار کون ہے؟"

زہری۔ "ضحاک۔"

عبدالملک۔ "ضحاک عرب ہیں یا غلام؟"

زہری۔ "غلام ہیں۔"

عبدالملک۔ "اہل بصرہ کا سردار و پیشوا کون ہے؟"

زہری۔ "حسن بن ابی الحسن ہیں۔"

عبدالملک۔ "غلام ہیں یا عرب؟"

زہری۔ "غلام ہیں۔"

عبدالملک۔ "کوفہ کی سرداری کس کے سر ہے؟"

زہری۔ "ابراہیم نخعی کے۔"

عبدالملک۔ "عرب ہیں یا غلام؟"

زہری۔ "غلام ہیں۔"

عبدالملک۔ "ویل لک اے زہری تم نے میرے دل کی گرہ کھول دی، خدا کی قسم عرب کی سرداری کا سہرا غلاموں کے سر رہا اور غلام لوگ عرب کے پیشوا اور سردار بن گئے۔ یہاں تک کہ انھیں کے خطبے منبروں پر پڑھے جاتے ہیں اور عرب نیچے رہتے ہیں۔"

زہری۔ "نعم یا امیر المومنین! اذا ھو امر اللہ ودینہ من حفظہ سادہ من ضیعہ سقط (یعنی ہاں اے امیر المومنین یہ تو اللہ کا حکم اور اس کا دین ہے جو حفاظت کرے گا سردار و پیشوا ہوگا اور جو ضائع کرے گا گر جائے گا)

اس دلچسپ مکالمہ سے موٹی عقل والا آدمی بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ زمانہ مشہود لہا

بالخیر ہیں مسلمانوں نے اس قانون مساوات و قانون فضیلت کو کسی کس طرح برت کر دکھایا اور اس کی بدولت اسلام نے کیسی ترقی کی۔ اس کے بدولت جوق کے جوق لوگ اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ اس زمانہ کی طرح یہ عذر نہ تھا کہ صاحب ہم لڑکے لڑکیوں کو کس طرح بیاہیں گے۔ مسلمان ہمارے بچّوں کو نیچی نگاہ سے دیکھیں گے ہمیں لڑکی کون دے گا۔ ہم تو غیر کفو میں شمار ہوں[1] گے۔"

فاضل مصنّف نے یعقوب کندی اور یعقوب بخنیقی[2] نیز احمد بن موسیٰ[3] کا ابن خلکان کے حوالہ سے مفصل تذکرہ کرتے ہوئے بہت سے مسلمان غلاموں کا حال بھی درج کیا ہے جو اسلامی تاریخ میں اہم موجد اور صانع گذرے ہیں، مثلاً ابن سلام، خفیف، علی بن احمد المہندس، جابر بن سنان الحرانی، ابن قرہ سنان بن جابر، فراس بن حسن، حامد بن علی اور ابن بخیہ جن کے نام علامہ ابن الندیم نے بھی پیش کئے ہیں۔

"یہ سب مختلف مسلمان خاندانوں کے موروثی غلام تھے[4]۔"

ممالک اسلامیہ کی اہم صنعتیں

اس کے بعد موصوف نے مسلم عہد کی مختلف ایجادات و اختراعات اور صنعتوں کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ اس سلسلے میں مسلم مملکتوں کی مندرجہ ذیل صنعتوں[5] کا بھی

[1] کتاب التمدن، حصہ اول، صفحہ ۱۰۲ - ۱۰۳۔

[2] " " صفحہ ۳۰، دو مشہور سائنسداں اور موجدین۔

[3] مصنّف و کتاب الحیل،

[4] کتاب التمدن، حصّہ اول، صفحہ ۲۲۔ [5] کتاب التمدن، حصہ اول، صفحہ ۲۷۔

ذکر کیا گیا ہے:

ممالک	صنعتیں	ممالک	صنعتیں
ڈھاکہ	ململ	مصر	مصری
سمرقند	کاغذسازی	مراکش	چمڑے کی دباغت
اصفہان	شمشیرسازی		اور رنگائی
حلب	آئینہ سازی	یمن	ریشمی چادر
تبریز	قالین بافی	تیونس	جہازسازی
سوس	سوسی سازی	بغداد	بارود

غرض ۔۔۔ ؎

این قصہ عجب شنو از بخت واژگوں
ما را بکشت یار با عجاز عیسوی

مغربی اندلس میں شنتربن نامی ایک شہر کا زربفتی کپڑا اس قدر نفیس اور اعلیٰ درجے کا ہوتا تھا کہ عوام اسے "کراماتی کپڑا" کہتے تھے۔ ابن حوقل بغدادی کتاب الممالک والمسالک[1] میں لکھتا ہے کہ:

"یہ کپڑا رنگ برنگ کا ہوتا ہے۔ سلاطین امویہ اندلس نے ان کو روک رکھا ہے۔ نہ باہر جانے پاتا اور نہ اس کو کوئی خریدنے پاتا۔ خوبی اور عزیز الوجود ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت ہزار اشرفی سے زائد ہوتی ہے۔"

[1] کتاب التمدن، حصہ اول، صفحہ ۳۸۔

شمشیر بندی

خود ہندوستان کی صنعتوں میں یہاں کی پارچہ بافی اور شمشیر سازی سارے جہاں میں مشہور تھی۔ کعب بن زبیر نے رسولؐ کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو قصیدہ پڑھا تھا اس میں تیغ ہندی کی اہمیت کا اعتراف موجود ہے[1]۔ ؎

ان الرسول لنور یستضاء بہ

ومھند من سیوف اللہ مسلول

(ترجمہ: رسول اللہ ایک نور ہیں جن سے روشنی ملتی ہے اور خدا کی کھینچی ہوئی ہندوستانی تلوار ہیں)

ہندوستانی کپڑے

ڈھاکے کی ململ پیغمبران بنی اسرائیل کے زمانے میں بھی بابل و اشور کے بازاروں میں بڑی اہمیت کی حامل تھیں[2]۔ قیاصرہ روم اور مغل محلسراؤں میں یہاں کی ململیں نہایت مرغوب تھیں۔ ۱۸۳۷ء میں ڈاکٹر ٹیلر کے پاس دو سو گز کا ایک تھان تھا لیکن نفاست اتنی تھی کہ صرف پانچ روپیہ کے برابر اس کا وزن تھا۔

انگریزوں کا ظلم

مگر ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریزی اقتدار کے نتیجے میں ان نفیس کپڑوں پر

[1] کتاب التمدن، حصہ اول، صفحہ ۲۶ ۔ [2] کتاب التمدن، حصہ اول، صفحہ ملاحظہ ہو سر جارج برڈوڈ کی ہندوستان ایشیائی قدیمہ کی رپورٹ برائے انڈیا آفس۔

۷۵ فیصدی محصول لگا کر ان کی برآمد بند کر دی گئی اور بنکروں پر بے پناہ مظالم توڑے گئے[1]۔ نہ صرف یہ کہ ان کی صنعت کو تباہ و برباد کر کے انہیں معاشی طور پر کچل دیا گیا بلکہ پیشہ وروں اور محنت کشوں کے خلاف ذات پات کے روائتی مزاج اور ماحول کو بڑھاوا دے کر ان کی سماجی حیثیت بھی مجروح کر دی گئی اور رفتہ رفتہ تمام ہی پیشہ ور برادریاں ملک بھر میں رذیل اور ریخ سمجھی جانے لگیں۔ یہاں تک "جولاہہ اور کنجڑا" جیسے الفاظ معنوی اعتبار سے گالی کی حد تک پہنچا دیئے گئے۔

(کتاب التمدن) تاریخ المنوال کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس کتاب نے مستند قدیم وجدید کتابوں کے حوالے سے بالعموم تمام پیشہ وروں اور بالخصوص پارچہ بافی کی پیشہ ورانہ، معاشی اور دینی اہمیت کو ثابت کر دیا۔ اور ملک کی اکثریتی مسلم آبادی کو احساس کمتری کی دلدل سے نکالنے میں اہم ترین خدمات انجام دیں مصنف ایک مقام پر رقمطراز ہیں:

قوم کی وہم پرستی

"چونکہ بدقسمتی سے آج کل نہیں بلکہ ایک عرصہ سے قوم کی وہم پرستی بہت بڑھ گئی ہے اس لئے اس پیشۂ حیاکتہ (پارچہ بافی) کو بالخصوص علاوہ دیگر دستکاریوں کے ایک حقیر چیز بنا لیا ہے اس لئے اس کے متعلق ہم کو زیادہ تفصیل سے عرض کرنا مناسب ہے۔ قرآن وحدیث کے علاوہ متقدمین میں جو اس پیشہ کی حالت تھی ان کے حالات سے بھی اس پر روشنی ڈالنی ضروری ہے[2]۔"

آگے چل کر در المختار شرح در مختار جیسی مستند فقہی کتاب کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ

[1] کتاب التمدن، حصہ اول، صفحہ ۴۶ ۔

علماء کا اعتراف

"علّامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں کہ وقد تولّٰھا قوم صالحون۔ یعنی اس پیشہ (بُنائی یا پارچہ بافی) کو صالحین (یعنی بزرگانِ دین) کی ایک جماعت نے کیا ہے[1]۔"

اسی طرح دیگر سیر و تاریخ کی کتابوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے: علّامہ ابن خلدون نے اس پیشہ کی ابتدا حضرت ادریس علیہ السّلام (یا ھرمس) کے وقت سے اور نامہ نگار اخبار وکیل (۲۴ جلد ۱۴) کی رو سے اس کی ابتدا حضرت آدمؑ ہی نے کی۔ پھر ان کے صاحبزادے حضرت شیثؑ نے اختیار کیا۔

انبیاؑ و صلحا کی پارچہ بافی

کیونکہ ستر پوشی از آدم تا ایندم انسان کی بنیادی ضروریات میں داخل رہی ہے۔ اس قول کی تائید میں حضرت انسؓ (بحوالہ فردوس وسیلمی) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا شاہ عبدالعزیز کے اقوال و تصانیف سے بھی حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں بیسیوں صفحات میں تاریخ کی اہم ترین شخصیتوں کی اس پیشہ سے وابستگی کو ثابت کیا ہے مثلاً:

- طبقہ اوّل انبیا: حضرت آدمؑ[2] و حضرت حوا، حضرت ادریسؑ[3]، حضرت شیثؑ[4]، حضرت صالحؑ[5]، حضرت داؤدؑ[6]۔

۱؎ کتاب التمدن، حصہ اوّل، صفحہ ۴۸۔ ۲؎ تاریخ طبری مطبوعہ بیروت۔ ۳؎،۴؎ تاریخ طبری مطبوعہ بیروت، صفحہ ۵۴۔ ۵؎،۶؎ تاریخ طبری مطبوعہ بیروت، صفحہ ۵۵۔

- طبقہ ثانیہ، اصحاب رسول:
حضرت ابو ایوب[1] انصاری، شیخ عبداللہ[2] انصاری بن ایوب انصاری، ایک صحابیہ[3]، اشعث بن قیس بن[4] معدیکرب الکندی۔

- طبقہ ثالثہ[5]، فقہا و تابعین و تبع تابعین وغیرہ:
حضرت حماد[6] بن امام ابی حنفیہ، حضرت اسمٰعیل[7] ابن حماد بن امام ابوحنفیہ۔ جناب اسمٰعیل[8] الحائک مفتی الشام، جرثومۃ النساج[9]۔

- طبقہ رابعہ[10] محدثین:
ابوبکر محمد بن[11] بشار بن عثمان الصدری النساج، حافظ[12] وہبی، امام ابوداؤد[13] سجستانی، امام نبدار[14]، بقا بن سلامۃ[15] المحدث الحافظ الحائک، محدث ناصح[16] بن عبداللہ الکوفی المحملی الحائک، فرقد سنجی[17] تابعی حائک۔

۱؎ کتاب التمدن، صفحہ ۵۷
۲؎ " ، صفحہ ۵۹
۳؎ " ، صفحہ ۶۱
۴؎ " ، صفحہ ۶۵
۵؎ " ، صفحہ ۶۶
۶؎ " ، صفحہ ۶۹
۷؎ " ، صفحہ ۷۰
۸؎ کتاب التمدن، صفحہ ۷۰
۹؎ " ، صفحہ ۷۱
۱۰؎ " ، صفحہ ۷۱
۱۱؎ " ، صفحہ ۷۱
۱۲؎ " ، صفحہ ۷۲
۱۳؎ " ، صفحہ ۷۳
۱۴؎ " ، صفحہ ۷۳
۱۵؎ کتاب التمدن، صفحہ ۷۴
۱۶؎ " ، صفحہ ۷۴
۱۷؎ " ، صفحہ ۷۵

○ طبقہ سلاطین :

جمشید بادشاہ[1]، شاہ سکندر ذوالقرنین[2] ۔

○ طبقہ صوفیائے[3] کرام :

حضرت شیخ خیر نساج[4] قدس سرہ، مشہور زاہد[5] حضرت مجمع، حضرت شیخ[6] محمد بخاری نقشبند، حضرت شیخ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند[7]، شیخ ابوبکر نساج[8]، شیخ احمد ہروانی حائک[9] بافندہ، شیخ علی رامتینی[10] بافندہ قدس سرہ، حضرت شیخ تقی مانکپوری[11] حائک، شیخ ابوالعباس قصاب (یعنی ریشم باف[12]) مومن عارف منیری[13]، حضرت عطا سلمی[14] نساج، حضرت شیخ ضیاء الدین[15] غازی پوری صوفی حائک، حضرت شیخ عبدالقدوس[16] گنگوہی (شاگردی کی وجہ ۔ ایک حائک استاد کے شاگرد)، نبی ہز ریغ الحائک (شیعہ)

○ طبقہ اطبا و حکما و ڈاکٹران و ریاضی دانان :

سمسن مشہور ریاضی داں لندن ۔ حصین

---

[1] کتاب التمدن، صفحہ ۷۷	[7] کتاب التمدن، صفحہ ۸۲	[13] کتاب التمدن، صفحہ ۹۳
[2] 〃 ، صفحہ ۷۷	[8] 〃 ، صفحہ ۸۵	[14] 〃 ، صفحہ ۹۴
[3] 〃 ، صفحہ ۷۹	[9] 〃 ، صفحہ ۸۷	[15] 〃 ، صفحہ ۹
[4] 〃 ، صفحہ ۷۹	[10] 〃 ، صفحہ ۸۷	[16] 〃 ، صفحہ ۱۴۱
[5] 〃 ، صفحہ ۸۱	[11] 〃 ، صفحہ ۹۲	
[6] 〃 ، صفحہ ۸۲	[12] 〃 ، صفحہ ۹۳	

آگے چل کر موصوف نے حصہ دوم میں دور الطراز (یعنی کپڑے بننے کے شاہی کارخانوں کا ذکر) کے زیر عنوان، مشرق وسطیٰ اور عرب ممالک کے تقریباً تمام اہم مقامات کا نام بنام ذکر کیا ہے اور وہاں کے اس فن کی تفصیل پیش کی ہے ۔

حضرت ابوایوبؓ کے پوتے کی ہندوستان میں آمد

عبدالحلیم شررؔ اور دوسرے مورخوں کے حوالہ سے حضرت ابوایوب کے پوتے یوسف کی فاتح سندھ محمد بن قاسم (۸۹ھ) کے ساتھ ہندوستان میں آمد کا بھی مفصل حال قلم بند[1] کیا ہے ۔

موصوف نے بعض مقامات پر یہ بھی ثابت کیا ہے کہ دیگر مسلم برادریوں کی طرح انصاریوں میں بھی کچھ کے آباو اجداد تو ہندی الاصل تھے جو کسی بزرگ کے اثر سے مسلمان ہوئے مگر حضرت ابوایوبؓ کے پوتے حضرت یوسفؒ اور مومن عارفؒ وغیرہ ایسے بزرگ تھے جو براہ راست عرب اور مشرق وسطیٰ سے تشریف لائے تھے مگر اس بنیاد پر کمتری و برتری کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لئے کہ اسلام نے حق و باطل اور عزت و ذلت کا معیار تقویٰ خدا پرستی اور عشق رسول کو قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری تصنیف کا انداز بیان نہایت مثبت اور قرآن و حدیث نیز تاریخ سیر کی روشنی میں، عالمانہ رنگ کا ہے ۔

مثبت انداز

حیرت ہوتی ہے کہ ذات پات کے دور عروج میں مصنف نے اپنی پوری تحریر

---

[1] کتاب التمدن، حصہ دوم، صفحہ ۴۸ ۔

کو منفیانہ رنگ سے بالکل پاک کیسے رکھا در اصل تبحر علمی، خدا پرستی، جماعت المحدیث
کی تحریکیت اور عالمانہ شان نے انہیں افراط و تفریط سے محفوظ رکھا۔

اسلامی روح

چنانچہ تمام حقائق کی تفصیل بیان کرنے کے بعد اپنی برادری کو موصوف جو نعرہ دیتے ہیں وہ اس طرح ہے:

" یاللانصار کونوا انصار اللہ و رسولہ کما کانت آباءکم
اے انصار ہو! اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد میں ہمیشہ رہا کرو جیسے تمہارے آبا و اجداد رہا کئے۔ تم اپنے اسلاف کے نقش قدم پر رہو اور وہی خدمت و اسلام وہی اشاعت دین تمہارا نصب العین ہے۔"

اور نحن انصار اللہ۔ (ہم دین خدا کے مددگار ہیں)

ہندوستانی بُنکر

دوسرے حصے میں" ہندوستان کے حضرات شیخ انصاری نور بافوں کی مختصر رپورٹ" کے زیر عنوان۔ ملک کے مختلف مقامات کی ادھوری رپورٹیں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں الہ آباد، بنارس، اعظم گڑھ، مبارکپور، مئوناتھ بھنجن، اجودھیا، فیض آباد، بہرائچ، گورکھپور، جونپور، ٹانڈہ، غازی پور، چھپرہ،

۱؎ کتاب التمدن، حصہ دوم، صفحہ ۴۷۔
۲؎ " " ، صفحہ ۴۷ تا ۷۷۔

سیوان، بلیا، ترہت، پٹنہ، شیخپورہ، سگوڑی، بلہوری، داناپور، کھگول، ہتیا کنسرائے، آرہ، ڈمراؤں، جمال پور، بھاگلپور، مکانواں، بردوان، آسنسول، رانی گنج، چکردھرپور، کلکتہ، ڈھاکہ، مرشدآباد، گوالندو، کشمیر، جموں، سیالکوٹ، پشاور، گجرات، ممالک متوسط، بمبئی، مدراس، حیدرآباد، دہلی، شاہدرہ، میرٹھ، رائے بریلی، سہارنپور، مظفرنگر وغیرہ خاص ہیں۔

دوسرا حصہ دراصل" حضرات شیخ نور بافان اور ہندوستان" اور ان کے مختلف علمی مسائل کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ ابتدا ہی میں اس حصے کے حدود کار میں تمام نکات کو واضح کر دیا ہے۔

علامہ سیوطی کا بیان

آخر میں" عرب العربا اور ان کے اوزار و آلات کا ذکر امام سیوطی کا رسالہ الاجر المجزل فی الغزل" اور جرجی زیدان (ایڈیٹر مصری اخبار الہلال) وغیرہ کے حوالے کو خاص طور پر پیش کیا ہے۔ جس میں" نیک مردوں کا عمل خیاطہ (سلائی) اور نیک عورتوں کا عمل چرخہ کاتنا ہے" تاکہ شیطان ان سے دور رہے اور وسواس نفسانی قریب نہ آئے" کو تبکرار اصل متن کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ تصنیف ایک گرانقدر تحقیقی کارنامہ ہے جس کے مدلل

۱؎ کتاب التمدن، حصہ دوم، صفحہ ۱۔
۲؎ " " ، صفحہ ۱۰۸۔

اور منطقی پیرایۂ بیان، صاف، سادہ اور بہاری محاوروں میں لکھی ہوئی بلیغ زبان سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انہیں خوبیوں کی بنا پر بعض اوقات عالمانہ انداز کے عربی الفاظ ذہن پر بوجھ نہیں بنتے بلکہ اپنے مفہوم کی وضاحت کرتے جاتے ہیں۔

تنظیم و تحریک

ایک ایسے وقت میں جبکہ یورپ، کے انقلابی اثرات، انگریزی تعلیمات۔ اور اپنائی پسماندگی کے ردعمل سے پورا ہندوستان متحرک و بیدار ہو رہا تھا۔ زمانے کے ستائے ہوئے بیدار مغز انصاریوں کا اجتماعی شعور انگڑائی لینے لگا تھا کہ اس تصنیف کے ذریعہ مولانا عبید اللہ صاحب کی مخلصانہ پکار نے انہیں پورے ملک میں منظم اور متحرک ہونے میں، اہم ترین رول ادا کیا۔ بہت ممکن ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ علمی اور تحقیقی ماحول میں اس تصنیف کے بعض اندراجات آج نظر ثانی کے محتاج ہوں۔ مگر جس زمانے کی یہ تصنیف ہے اس پس منظر میں اگر اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جائے تو علمی دنیا اس کی عظمت اور وقعت سے انکار نہیں کر سکتی۔ سچ تو یہ ہے کہ آل انڈیا مومن کانفرنس کو اس قدر منظم و مستحکم اور موقر بنانے میں اس کتاب نے اہم ترین رول ادا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو موصوف کس طرح اپنی پوری برادری کو متحرک، بیدار اور جوش اجتماعیت سے بھرپور بنانے کی کوشش کرتے ہیں:

"شیخ نور باف[1] ان انصاری میں کمالات علمیہ اور عقلیہ کے تحصیل کی طرف جوش تو ہو چلا ہے اور اکثر افراد روشن خیال پائے جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد اور کثرت کے اعتبار سے یہ جوش جو اس وقت موجود ہے کافی نہیں

[1] کتاب التمدن، حصہ دوم، صفحہ ۱۰۰۔

نہ اس قلیل تعداد میں روشن خیال، وسیع دماغ حضرات کا پایا جانا چنداں مفید ہے۔ ہم نے مانا کہ ان میں لاکھوں حافظ ہوں ہزاروں عالم اس طرح دوسرے کمالات کے لوگ تعلیم یافتہ، روشن دماغ موجود ہیں، لیکن تعداد اور کثرت کے اعتبار سے دیکھو تو خال اور چہرے کی نسبت رہ جائے گی۔"

آگے چل کر "اپیل بخدمت قوم" کے زیر عنوان مکمل اجتماعی اور تنظیمی زندگی کی طرف واضح اشارے کرتے ہیں:

"تم اپنے بچوں کو تعلیم دلانا فرض سمجھو، بغیر اس کے آج انسان دوسروں کا دست نگر ہے۔ اپنی تعلیم گاہوں کے لئے کانفرنس قائم کرو۔ قدم بڑھاؤ۔ جب تک بالخصوص تمہاری کوئی کانفرنس قائم نہ ہوگی۔ تمہارا ابھرنا مشکل ہے۔ تمہاری آبادی دنیا میں بہت بڑھی ہوئی ہے۔ تم میں ہر طبقہ کے لوگ ہیں۔ ممالک اسلامیہ کی فہرست بھی تم نے پڑھی کیسے کیسے باکمال صناع تم میں گذرے ہیں۔ کیسے کیسے عالم فاضل صاحب کمال ہوئے ہیں۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ قرآن کو مضبوط تھامو یہی کتاب تمام دین و دنیا کی ترقی کا راستہ بتائے گی اور حدیث و فقہ پر عمل کی ہدایت کرے گی۔"

[1] کتاب التمدن، حصہ دوم، صفحہ ۱۰۴۔

بانیٔ تحریک آل انڈیا مومن کانفرنس کا ایک مختصر تعارف

انیسویں صدی میں مسلمانوں کے فکری جمود، اخلاقی زوال اور مغربی استیلاء نے انہیں ہمہ گیر انتشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاشی استحصال اور ہندوستانی حکمرانوں کے باہمی نفاق نے ۱۸۵۷ء میں صدیوں کے لیے انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ جس معاشی خوشحالی اور صنعت پارچہ بافی کی دھوم سارے جہان میں مچی ہوئی تھی دیکھتے ہی دیکھتے اس کا خاتمہ ہو گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ظلم اور لوٹ کھسوٹ جب حد سے تجاوز کرنے لگی تو مرشد آباد کے ایک بُنکر نے یہ پیشکش کی کہ مالکان کمپنی ہم سے منہ مانگی قیمت پر کمپنی فروخت کر دیں اور ہمارا ملک چھوڑ دیں۔ ظاہر ہے کہ اجتماعی خرابیاں بعض انفرادی خوبیوں سے دور نہیں ہوتیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؔ نے غلط نہیں کہا تھا کہ

؎ فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

مسلسل حادثوں نے مسلمانانِ ہند کو بیدار کرنے کے بجائے انہیں اور خوابِ غفلت میں مبتلا کر دیا۔ جاگیرداروں اور زمینداروں کا سہل انگار طبقہ اپنے حلوے مانڈے کی خاطر اقتدارِ وقت سے ہر زمانے میں نہ صرف یہ کہ سمجھوتا کرتا رہا بلکہ اس کا آلۂ کار بنتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ہندوستان کی سماجی زندگی کے تار و پود بکھر گئے۔ ملک کے مخصوص عوامل نے توحید اور اخوتِ اسلامی کے علمبرداروں میں بھی امیر، غریب،

بڑے چھوٹے اور ذات پات کی لعنت پیدا کر دی اس صورتحال میں اصلاح کے لئے ایک طرف راجہ رام موہن رائے نے ہندوؤں میں اور مولانا سیّد احمد بریلویؒ نے مسلمانوں میں بڑی اہم تحریکیں چلائیں ان کے اثرات بھی مرتّب ہوئے۔ مگر ہندوستانی سماج ہمہ گیر انقلابی تبدیلیوں کے بغیر محض جزوی اصلاحات سے بدلنے والا نہ تھا۔

انگریزی سیاست و تہذیب کے غلبہ نے یہاں کی سماجی خرابیوں میں اصلاح حال کے بجائے کئی نئی گرہیں ڈال دیں۔ جس کے ردّ عمل میں غلامی سے نجات پانے کے لئے جدوجہد آزادی کا آغاز ہوا معاً بعد ملک کے جملہ قبائل اور اقوام میں طرح طرح کی سیاسی، مذہبی اور اصلاحی تحریکوں کا آغاز ہو گیا۔

مہاتما گاندھی نے بجا طور پر یہ محسوس کیا کہ آزادی کی جدوجہد اور اس کی نعمت اس وقت تک بے معنیٰ رہے گی جب تک کہ کروڑوں اچھوتوں کو ان کے انسانی حقوق واپس نہ دیئے جائیں۔ چنانچہ انھوں نے وقتِ واحد میں ایک طرف تو انگریز سامراج کو چیلنج کیا اور دوسری طرف سماجی ناانصافیوں کے خلاف بھی جنگ شروع کر دی۔ اس کے برخلاف مسلم قیادت نے مسلم لیگ، خلافت، کانگریس اور احرار وغیرہ کی صورتوں میں اپنا سارا وزن سیاسی جدوجہد کے پلڑے میں ڈال دیا۔ انہوں نے اس تلخ حقیقت کو تقریباً نظر انداز کر دیا کہ صدیوں باہمی تعلقات کے نتیجے میں خود ان کی قوم یہاں کے بہت سے مشرکانہ رسوم اور ذات پات کی لعنتوں میں گرفتار ہو چکی ہے۔ اب ان کلمہ گویوں کے درمیان بھی غربت و امارت کی ناقابل عبور دیواریں کھڑی ہو چکی ہیں۔ مسلم قیادت کی اس سفید پوش سیاست اور شتر گربگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم اپنی بنیادی کمزوریوں سے بے نیاز ہو کر جذباتی سیاست کا شکار ہو گیا۔

اس سیاسی و سماجی پس منظر میں قدرت نے مولوی علی حسین عاصم بہاریؒ کو غریب

اور پسماندہ مسلمانوں کا ایک مسیحا بنا کر اُٹھایا۔ انہوں نے واضح طور پر یہ پیش بینی کر دی کہ برادران وطن تو آزادی کی اس جد وجہد میں اپنی ہمہ گیر بیداری کی بنا پر بہت کچھ پالیں گے مگر کل آزاد ہندوستان میں غریب مسلمانوں کا کیا بچے گا۔ اچھوتوں کو ہریجن بنا کر ان کے غصب شدہ حقوق واپس کئے جا رہے ہیں مگر غریب اور پسماندہ مسلمانوں کے پامال شدہ انسانی حقوق سے کسی کو واقعی دلچسپی نہیں۔ جاگیردار، زمیندار اور نام نہاد پیروں نے غریب اور ان پڑھ مسلمانوں کا رہا سہا خون چوس لیا تھا۔ اس ابتر ماحول کے باوجود محض سیاسی آزادی کا کھلونا پسماندہ مسلمانوں کے لئے ہرگز کافی نہیں تھا۔

مولوی علی حسین عاصم بہاریؒ (تاریخ پیدائش ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۰۹ھ، محلہ خاص گنج، بہار شریف، ضلع نالندہ۔ پٹنہ) جو ایک دیندار مگر غریب اور مزدور پیشہ بُن کر گھر کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ہی مجبوراً انہیں سولہ برس کی عمر میں اوشا کمپنی کلکتہ کی ملازمت (۱۹۰۶ء) اختیار کر لینی پڑی۔ ملازمت سے جو وقت بچتا وہ مسلسل مطالعہ میں صرف کرتے۔ اس زمانے میں کلکتہ ہندوستان کا نہ صرف دارالسلطنت تھا بلکہ ہر قسم کے علمی، سیاسی اور سماجی تحریکات کا سب سے اہم ترین مرکز بھی تھا۔ چنانچہ عاصم بہاری کے قلب حساس اور ذہن رسا نے اس ماحول سے بھرپور استفادہ کیا۔ مختلف قسم کی تحریکوں میں رضاکارانہ حصہ لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بندگی بے چارگی والی ملازمت ان سے زیادہ دنوں تک نبھ نہ سکی بالآخر مستعفی ہو کر بیڑی سازی کے آزاد معاش میں لگ گئے۔ یہاں ہم خیال نوجوانوں کی ایک ٹیم مل گئی جن کے ساتھ سیاسی اور سماجی دلچسپیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۱۱ء میں تاریخ المنوال (مصنفہ مولانا عبید اللہ مبارکپوری) کی شکل میں پارچہ باف قبیلہ انصار کی جب ایک مبسوط تاریخ منظر عام پر آ گئی تو اس اہم تصنیف نے ان کی فکر کو ایک نیا موڑ دیا۔ انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ ہندوستانی مسلمان مشرکانہ برہمنیت زدہ ماحول

اور صدیوں کی غلامی کی وجہ سے اپنی حقیقی دینی بنیادوں سے دور ہو گئے ہیں۔ مغربی سیاست اور جاگیردارانہ سماج نے ان کی صنعت و حرفت اور اقتصادیات کا جنازہ نکال دیا ہے چنانچہ غربت، جہالت اور دین سے بے خبری نے مسلم سماج کو نت نئے فساد سے بھر دیا ہے موصوف کے خیال میں اس بدترین صورتحال کو تبدیل کرنے کے لئے عرفی شرفاء کی سفید پوش سیاست میں شرکت ہرگز کافی نہیں بلکہ گمراہ کن ثابت ہو گی۔

چنانچہ شب و روز کے مطالعہ، علما و قائدین کی صحبت اور عملی تجربوں کی روشنی میں انہوں نے اپنے لائحہ عمل کے لئے مندرجہ ذیل بنیادوں کو اولین اہمیت دی:

۱۔ قرآن و سنّت کی روشنی میں دین کے حقیقی تصور کا فروغ اور اخوت اسلامی کے لئے جد و جہد۔

۲۔ تعلیم اور صنعت و حرفت کی ترقی۔

۳۔ معاشرتی اصلاح۔

اب وہ اس نصب العین کے لئے تن من دھن سے لگ گئے اپنے قریب ترین احباب کے ساتھ پہلے تو کلکتہ میں ایک پنج سالہ منصوبہ (۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۷ء) کے تحت مختلف محلوں میں مختلف قسم کی انجمنوں کے زیر اہتمام کام کا آغاز کیا۔ موصوف اکثر مولانا آزاد کی صحبت سے بھی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ آگے چل کر یہ ملاقات دوستی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وقتاً فوقتاً اپنے وطن بہار شریف آتے تو اپنے دوستوں کو متحرک کرتے رہتے۔ محلہ خاص گنج بہار شریف میں بزم ادب (۱۹۱۴ء) تشکیل پائی جس کے زیر اہتمام ایک گرانقدر لائبریری کا قیام عمل میں آیا۔ کلکتہ میں ہم خیال احباب کی تربیت کے لئے دارالمذاکرہ (دسمبر ۱۹۱۵ء) قائم کیا۔ جہاں ان کی طرح دوسرے مزدور پیشہ نوجوان کام سے فراغت کے بعد شب میں کسی معلم سے قرآن و حدیث، تاریخ اسلام اور حالات حاضرہ پر گھنٹوں تقریریں اور بحث و مباحثہ کرتے۔

بسا اوقات یہ مذاکرہ رات رات بھر جاری رہتا۔ ان نشستوں میں سرسیدؒ، علامہ شبلیؒ، مولانا حالیؒ اور مولانا آزادؒ کی تحریریں بھی زیر مطالعہ و مباحثہ رہتی تھیں۔

دو برسوں تک اس سلسلے نے جب تربیت یافتہ نوجوانوں کی ایک ٹیم فراہم کر دی تو اوائل ۱۹۲۰ء میں موصوف نے تاتی باغ کلکتہ میں جمعیۃ المومنین نام کی ایک باضابطہ تنظیم قائم کر لی جس کے ایک بڑے جلسے (۱۰؍مارچ ۱۹۲۰ء) میں مولانا ابو الکلام آزاد نے بھی تقریر کی۔ دوران تقریر مولانا آزاد نے مولوی علی حسین عاصم بہاریؒ کا نام لے کر ان کی مساعی کی تحسین فرمائی اور نوجوان انصار کو ان کی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی۔

بتدریج عاصم بہاریؒ کی یہ کاوشیں ترقی کرتی ہوئی ایک تحریک کا روپ دھار رہی تھیں۔ ان کے حوصلے بڑھتے چلے گئے۔ چنانچہ تاتی باغ کے مزدور پیشہ مسلمانوں اور انصاریوں کو حالات حاضرہ سے باخبر رکھنے کے لئے اپریل ۱۹۲۱ء سے ایک دیواری اخبار "المومن" کا سلسلہ شروع کیا۔ جو بے حد مقبول ہوا۔ یہی دیواری المومن مولانا محمد یحییٰ صاحب کی ہمت سے اوائل ۱۹۲۳ء سے ماہانہ رسالہ المومن کی شکل میں جاری ہوا اور جس نے مومن تحریک کو برسوں بڑی تقویت پہنچائی۔

موصوف نے ۱۰؍ستمبر ۱۹۲۱ء کو جمعیۃ المومنین تاتی باغ کلکتہ کا ایک تاریخی جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں انہوں نے اپنے دیرینہ تعلقات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قائدین ملک و ملت کو بھی مدعو کیا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی، مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا ابو الکلام آزادؒ کے علاوہ کئی دیگر سربرآوردہ شخصیتوں نے بھی جلسہ سے خطاب کیا۔ کانگریس پارٹی اور مہاتما گاندھی نے چونکہ گھریلو صنعت اور غریبوں کی ہمت افزائی کو اپنے نصب العین میں شامل کر رکھا تھا۔ اس لئے جلسہ کے بعد صنعت پارچہ بافی کی تنظیم و

ترقی کے لئے موصوف نے گاندھی جی کی خدمت میں ایک پوری اسکیم پیش کی۔ وہ پارٹی کی شرائط پر ایک لاکھ کی خطیر رقم دینے کے لئے بھی تیار تھے مگر تحریک کے اولین مرحلہ میں اس کھلی سیاسی وابستگی سے خود کو آزاد رکھنے کے لئے انہیں اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کرنا پڑا۔

محدود پیمانے پر ان تحریکی کاوشوں کی کامیابی نے عاصم بہاری کے حوصلوں کو دوچند کر دیا۔ اور اب اسے ایک ہندوستانی گیر تحریک کی شکل دینے پر غور و فکر کرنے لگے۔ مگر اس سلسلے میں تدریج اور فطری طریق کار کو اختیار کیا۔ بنگال کے بجائے سب سے پہلے اپنے وطن صوبہ بہار کو نشانہ بنایا۔ اوائل ۱۹۲۲ء میں بہار آ گئے پہلے بہار شریف کے مختلف محلوں اور پھر اس صوبہ کے بڑے شہروں کے مفصل دورے کئے۔ ہر جگہ تحریک کے خطوط کار کو عصری مسائل کے پس منظر میں اس طرح پیش کیا کہ رفتہ رفتہ تحریک پسماندہ مسلم برادریوں میں جڑ پکڑنے لگی۔ ۱۷؍نومبر ۱۹۲۱ء کو جمعیۃ المومنین بہار شریف کی تنظیم اور اس کے ایک ماہ کے بعد جمعیۃ انجمن انصاریہ پٹنہ کا قیام عمل میں آیا۔ اب وہ اس تحریک کو اپنی تمام کم مائیگیوں اور مالی پریشانیوں کے باوجود ملک گیر پیمانے پر آگے بڑھانے میں دل و جان سے لگ گئے۔ نوزائیدہ بچہ محمد قمر الدین بستر مرگ پر آخری سانسیں لے رہا تھا مگر سوہ ڈیہہ کے جلسہ میں شرکت کا چونکہ وعدہ کر چکے تھے اس لئے اللہ کا نام لیکر قدرے پس و پیش کے بعد شریک جلسہ ہوئے اور ادھر بچے کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کی بچی بارکہ کی پیدائش کے وقت پورا گھر قرض اور فاقے پر گذر کر رہا تھا مگر غریب مسلمانوں کو بیدار اور منظم کرنے کے لئے وہ جس طوفانی دورے پر نکل چکے اس سے اپنے قدم کو واپس نہیں لیا۔ اس دوران پٹنہ سٹی میں آریہ سماجیوں نے مناظرہ بازی کے لئے مقامی علماء کو للکارا۔ کافی و شافی جواب کسی سے بن نہیں پڑ رہا تھا۔ عاصم بہاری کو خبر ہوئی تو اپنے ایک

عزیز سے سفر خرچ بطور قرض حاصل کیا اور زادِ راہ کے طور پر مکئی کے چبینے (بھونے) تھیلے میں ڈال لئے اور پٹنہ سٹی پہنچ گئے۔ وہاں اپنی منطقی تقریر اور مدلّل مباحثے سے آریہ سماجی مناظر کو ایسا زچ کیا کہ اسے فرار کی راہ اختیار کرنی پڑی۔ بہار کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد ۳۔۴ جون ۱۹۲۲ء کو بہار شریف میں جمعیۃ الانصار صوبہ بہار کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کر دیا اور دوا دوش شروع ہو گئی۔ فراہمی فنڈ کے لئے کئی اسکیم بنیں مگر کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ تحریک مومن کانفرنس کی پہلی صوبائی کانفرنس کی تاریخ سر پر آ پہنچی۔ پہلے ہی اعلان کیا جا چکا تھا کہ مندوبین (ڈیلیگیٹس) سے قیام وطعام کی کوئی فیس نہیں لی جائے گی۔ اب جبکہ مندوبین مختلف شہروں سے پہنچنے لگے اور فنڈ بھی فراہم نہ ہو سکا تو عین وقت پر عاصم بہاریؒ نے اپنی والدہ محترمہ کو اس امر پر راضی کر لیا کہ وہ اپنے چھوٹے صاحبزادے (مولوی محمود احسن) کی ہونے والی شادی کے لئے جو اجناس اور زیورات مہیا کر چکی ہیں وہ عارضی طور پر کانفرنس میں آئے ہوئے مہمانوں پر خرچ کرنے کے لئے دیدیں بعد میں چندہ کر کے ذمہ داران مومن کانفرنس انہیں واپس کر دیں گے۔ چنانچہ کانفرنس مجوزہ تاریخوں میں نہایت شاندار طریقے سے منعقد ہوئی مگر عاصم بہاری اور ان کے احباب ہزار سر مارنے کے باوجود ان کے چھوٹے بھائی کی شادی کے دن تک کوئی رقم اور جنس ان کی والدہ کو واپس نہ کر سکے۔ آخر انتہائی پشیمانی اور خفت کے عالم میں شادی سے چند دن قبل عاصم بہاریؒ خاموشی کے ساتھ گھر سے نکل گئے والدہ نے طلبی کا پیغام بھی بھیجا مگر انہیں شریک تقریب ہونے کی ہمّت نہ ہوئی۔

ان تمام پشیمانیوں کے باوجود ان کے تحریکی جنون میں کوئی کمی نہیں آئی کیونکہ بقول ان کے ؎

رضائے مولا پہ ہو کے راضی میں اپنی ہستی کو کھو چکا ہوں
اب اس کی مرضی ہے اپنی مرضی جو چاہے پروردگار ہوگا

بعض مخلص اور مخیر احباب کے تعاون سے وہ کانفرنس کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اور زور و شور سے دورے کرنے لگے۔ آگے چل کر اگست ۱۹۲۴ء میں منتخب اور مخلص افراد کی ٹھوس تربیت کے لئے ایک "مجلس میثاق" ("یا اتحاد خاندان") تشکیل دی۔ اس میثاق نے ۶ جولائی ۱۹۲۵ء کو یہ طے کیا کہ تحریک کو ٹھوس بنیادوں پر آگے بڑھانے کے لئے اس کا ایک پندرہ روزہ ترجمان الاکرام کے نام سے بہار شریف سے جاری کیا جائے۔ جس کا پہلا شمارہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو منظر عام پر آیا۔

صنعت پارچہ بافی کی تنظیم و ترقی کے لئے بہار ویورس ایسوسی ایشن کی تنظیم قائم کی بعد میں جس کی شاخیں کلکتہ اور دوسرے شہروں میں بھی قائم ہوئیں عام مسلمانوں میں بیداری اور نظم و اتحاد کو قائم کرنے کے لئے سید مہدی حسن ایڈوکیٹ کے تعاون سے جمعیۃ الاسلامیہ نام کی ایک تنظیم بھی بہار شریف میں قائم کی۔

بہار کو منظم کرنے کے بعد ۱۹۲۷ء سے موصوف یو۔پی کی طرف متوجہ ہوئے۔ گورکھپور، بنارس، الہ آباد، مراد آباد، کانپور اور یو۔پی کے مغربی اضلاع نیز دہلی و پنجاب کے دورے کے بعد ۷۔۸ اپریل ۱۹۲۸ء کو کلکتہ میں پہلے آل انڈیا مومن کانفرنس کا عظیم الشان تاریخی جلسہ منعقد کیا۔ دوسرا اجلاس الہ آباد (مارچ ۱۹۲۹ء) تیسرا اجلاس دہلی (اکتوبر ۱۹۳۱ء) چوتھا لاہور اور پانچواں اجلاس گیا، بہار (نومبر ۱۹۳۲ء) میں منعقد ہوا۔ اس کے بعد کانپور، گورکھپور، دہلی اور پٹنہ میں بھی اس کے سالانہ اجلاس منعقد ہوئے اور تنظیم کی شاخیں بمبئی، ناگپور، حیدر آباد، مدراس یہاں تک کہ لنکا اور برما میں بھی قائم ہوئیں۔ یوں ان کی تحریک ہندوستان گیر شکل میں منظم ہو گئی۔ کانپور سے

ہفتہ وار مومن گزٹ کا اجرا عمل میں آیا جس کے تاعمر مدیر اور سرپرست رہے۔

تنظیم و تحریک میں ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ خود پیچھے رہ کر باصلاحیت اور اہل تر افراد کو تنظیم کے اعلیٰ عہدوں پر رکھتے خود کو کبھی جوائنٹ سکریٹری یا جنرل سکریٹری سے آگے نہیں بڑھایا۔ تنظیم و تحریک کا کام جب بے حد پھیل گیا اور انہیں محنت مزدوری کا بالکل موقع نہیں رہا تو نومبر ۱۹۳۰ء سے اس کی مجلس عاملہ سے ایک قلیل رقم (مبلغ پچاس روپئے ماہانہ) کفاف متعین کرالیا۔ مگر یہ رقم بھی کبھی وقت پر پوری نہیں ملی۔

گیا کے اجلاس سے تحریک میں خواتین کا حلقہ بھی متحرک ہوا اور جا بجا اس کی شاخیں بھی قائم ہونے لگیں۔ جس مقام پر مومن کانفرنس کی شاخ قائم کی جاتی وہاں بالعموم چھوٹے بڑے اجتماعات کے علاوہ لائبریری، تعلیمی و صنعتی اور کاروباری ادارے بھی قائم کئے جاتے۔

عاصم بہاریؒ کے دور قیادت میں تحریک کی اول روز سے یہ کوشش رہی کہ انصاریوں کے علاوہ دیگر پسماندہ اور غریب مسلم برادریوں کو بھی بیدار اور منظم کیا جائے چنانچہ ہر آل انڈیا اجلاس کے موقع پر مختلف برادریوں اور اداروں کے اکابر و عہدیداران کو بھی مدعو کیا جاتا۔ مومن گزٹ بلا امتیاز ان تمام تنظیموں کی روداد بے کم و کاست شائع کرتا۔ مومن گزٹ کی پیروی میں ملک کے مختلف شہروں سے بعض افراد اور مقامی تنظیموں کے زیر اہتمام مختلف قسم کے اخبار و رسائل کے اجرا نے ادب و صحافت اور شاعری کو بھی خاصا فروغ دیا۔

۳۶-۱۹۳۵ء سے ملکی سیاست نے جب نیا رُخ اختیار کرنا شروع کیا تو عاصم بہاریؒ اور آل انڈیا مومن کانفرنس پر زبردست سیاسی دباؤ کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ موصوف نے ہمیشہ اس امر کی کوشش کی کہ سیاست میں کسی ایک پارٹی کی حاشیہ برداری کے بجائے

اس کی آزادانہ حیثیت کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے۔ آل انڈیا مومن کانفرنس کی مجلس عاملہ کے بعض ارکان مسلم لیگ اور کانگریس کی طرف انتہا پسندانہ رجحانات رکھنے کی وجہ سے اس بات کے خواہشمند تھے کہ پوری تحریک ان کے مخصوص رجحان کی حامل ہو جائے مگر عاصم بہاریؒ نے کبھی توازن بگڑنے نہیں دیا۔ انٹرم گورنمنٹ کے زمانے میں ملک کے مختلف مقامات پر مومن کانفرنس کے نامزد ارکان خاصی تعداد میں اسمبلی الیکشن میں کامیاب ہوئے تو بہتوں کو اس تنظیم کی وسعت اور قوت کار کا پہلی دفعہ اندازہ ہوا۔ یہیں سے اس تحریک کی مخالفت بھی منظم انداز میں شروع ہوگئی۔ مسلمانوں میں ذات پات کو ہوا دینے والے عرفی شرفا اور علمائے سو نے سیاسی اور مذہبی اصطلاحات میں طرح طرح الزام تراشیاں شروع کیں۔ فتاوے اور اشتہارات ہی نہیں "جولاہہ نامہ" جیسی شر انگیز مستقل تصنیف تک منظر عام پر آئی۔ کانپور میں ۱۹۳۸ء کے الیکشن کے موقع پر ایسی کشیدگی پیدا کر دی گئی کہ بالآخر ایک مومن اسکاؤٹ عبد السلام ساکن گھاڑا الہ آباد کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ شر انگیزوں نے قاتلانہ حملہ کر کے انہیں ہلاک کر دیا۔ انہوں نے غلط نہیں کہا تھا ؎

مٹے گا ہرگز نہیں تشتت یہی جو لیل و نہار ہوگا

تمام دنیا کی آفتوں کا قبیلہ اپنا شکار ہوگا

اس ماحول میں بھی عاصم بہاریؒ نے اپنی اعتدال پسندی اور میانہ روی پر حرف نہیں آنے دیا۔ مختلف ملکی و ملی کانفرنسوں، جلسوں، تقریبوں اور سیرت النبیؐ کے اجتماعات میں جدوجہد آزادی، ملکی و ملی مفادات اور اخوت اسلامی کی اہمیت پر زور انداز میں دلنشیں تقریریں کرتے رہے۔ ان کے مخصوص لب و لہجہ، مزاحیہ انداز بیان اور لطائف و ظرائف سے ان کی تقریریں اس قدر دلکش اور دلپذیر ہو جاتی

تھیں کہ عامی ہو یا دانشور سبھی ان سے یکساں لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ برصغیر کے اس طول و عرض میں آج بھی ایسے ہزاروں افراد موجود ہیں جو ان کی اس خطابت اور جادو بیانی کے گواہ ہیں۔

غریبوں اور پسماندہ برادریوں (مسلم اور غیر مسلم) کے درمیان ان کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کا حقیقی راز یہ تھا کہ انہوں نے انتہائی خلوص اور ایثار سے کام لے کر اپنی پوری صلاحیتیں ملک و ملّت کی تعمیر و اتحاد میں صرف کر دیں۔ ملک و ملت کی تاریخ میں عاصم بہاری جیسی خود ساز اور انقلابی شخصیتیں شاذ انگلیوں پر بھی شمار نہیں کرائی جا سکتیں جو انتہائی مفلوک الحال خاندان اور طبقہ سے اُٹھ کر اپنی علمی کم مائیگی کے باوجود نہ صرف شہر شہر بلکہ عمر بھر گاؤں گاؤں، دیہات دیہات کی خاک چھانی، مخالفوں کے طعنے سُنے، پورے کنبے کے مستقبل کو داؤں پر لگا دیا، فاقے سہے، دمہ اور اختلاج قلب کا کبھی سکون سے علاج کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ دوران سفر خون تھوکتے رہے پھر بھی زبان و قلم اور قلب و روح کی ساری قوتیں ملک و ملت پر قربان کر کے غربا کی ایک مضبوط آل انڈیا تنظیم کھڑی کر دی۔

تقسیم ملک کے وقت کی بحرانی سیاست سے کچھ دنوں کے لئے کنارہ کش ہو گئے تو، پرائے تو پرائے بعض نادان اپنوں نے بھی انہیں سب و شتم کا نشانہ بنایا، سب کچھ سُنتے اور سہتے رہے مگر زبان پر یہی ورد تھا کہ ؎

قفس میں غفلت کے مری شکستہ پری رہیگی جب تک
نہ چین مجھکو ملے گا ہرگز نہ دل کو میرے قرار ہوگا

بالآخر ۴۷ء کا طوفان جب سر سے کسی طرح گذر گیا خود ان کے وہ شاگرد جو اپنی نادانی اور بے بصیرتی یا خود غرضی کی وجہ سے ان پر زبان طعن دراز کر چکے تھے۔ موصوف

کی پیش گوئیوں کو حرف بحرف صحیح ہوتے ہوئے دیکھ لیا اور پھر جب شرمسار اور معذرت خواہ ہوئے تو سب کچھ بھلا کر پھر بہار شریف اور الہ آباد سے مومن گزٹ کا دوبارہ اجرا کیا اور ملک کے بدلے ہوئے نئے سیاسی و سماجی ماحول میں مسلمانوں اور انصاریوں کو عمل و اتحاد اور خدا پرستی کا روح پرور پیغام ایک بار پھر سُنانا شروع کر دیا۔ اب ان کے سامنے جو مشن تھا وہ یہ کہ اس پوری مومن تحریک کو خدا پرستی کی بنیادوں پر استوار کر کے اسے اس طرح آگے بڑھایا جائے کہ ذات پات اور اونچ نیچ کے بھید بھاؤ احساس کہتری و برتری سے قوم مسلم کو نجات دلائی جائے کیونکہ اب جو نیا طوفان درپیش تھا اس کی زد میں "ابن فلاں اور ابن فلاں" کے سارے امتیازات ملیامیٹ ہو چکے تھے۔ پورا ملک جلد ہی کچھ نئے فتنوں اور ایک نئے علمی و صنعتی انقلاب سے دوچار ہونے والا تھا اس لئے انہوں نے دوبارہ اخوت و مساوات، تعلیم و تنظیم اور صنعت و حرفت کی طرف قوم کو متوجہ کیا۔ مگر مشیّت ایزدی کو ان سے جتنا کام لینا تھا وہ لے چکی تھی۔ ان کی عمر اور صحت اب اس لائق نہیں رہ گئی تھی کہ اپنے اس مشن کو سابق دستور، انتھک محنت اور ملک گیر دورے کر کے پایۂ تکمیل کو پہنچاتے۔ آخر عمر میں جب ان کی صحت تیزی سے گرنے لگی تو الہ آباد کے عقیدتمندوں اور مخلص قدردانوں نے خاص طور پر حاجی قمرالدین صاحب پرفیومر کا شانۂ سلیماں نے موصوف کی بڑی خدمت کی ان کے آرام اور علاج معالجے کا پورا پورا اہتمام کیا گیا مگر ان کا وقت پورا ہو چکا تھا اس لئے ۶ر دسمبر ۵۳ء (بروز یکشنبہ بوقت ۲ بجے شب) مکان حاجی قمرالدین صاحب محلہ اٹالہ الہ آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے تو ان کی یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی کہ ؎

ہمارے مرنے پہ ایک عالم ہماری خوبی پہ جان دے گا
بچھے گی ماتم کی صف جہاں میں عدو تلک سوگوار ہوگا

مولانا علی حسین عاصم بہاری کا اسلامی نظام تربیت

ہندوستان کو بعض لوگ مذاہب کا بحر مردار بھی کہتے ہیں۔ اس مبالغہ کی جزوی صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ درجنوں مذاہب کا یہاں جو حشر ہوا وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں مجددین و مصلحین کی کوششیں اگر جاری نہیں رہتیں تو خدا جانے خود اسلام کا اس ملک میں کیا حشر ہوتا۔ مایا اور بھگتی کے اثر نے مریضانہ تصوف اور ورن آشرم نے ذات پات، اسی طرح تلک، جہیز اور مختلف قسم کی مشرکانہ رسوم کی مہلک بیماریوں نے اہل اسلام کو یہاں جس طرح متاثر کیا ہے وہ آج بھی سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ علی حسین عاصم بہاریؒ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اس میں ذات پات اور بدیشی راج کی سرپرستی میں زمینداروں کے ظلم وستم اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ اس وقت کا مسلم سماج واضح طور پر دو حصوں میں منقسم تھا۔ اعلیٰ اور ادنیٰ اور ان دونوں کے درمیان خلیج ہر سطح پر روز بروز گہری ہوتی جارہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس مصنوعی گہری خلیج کو پاٹے بغیر کوئی اصلاحی کوشش برگ و بار نہیں لاسکتی تھی۔

مشیت نے عاصم بہاریؒ کو اعلیٰ تعلیم سے محرومی اور بعض کم مائیگیوں کے باوجود اس خلیج کو پاٹنے کی پوری صلاحیت بخشی تھی۔ موصوف عالم اور مجاہد خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ ان کے دادا مولانا عبدالحکیم نے انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں بہ نفس نفیس حصہ لیا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد انہیں برسوں نیپال میں جلاوطنی کی زندگی گذارنی پڑی۔ ان کے

بھائی مولانا عبدالرحیم بہار شریف میں اپنے وقت کے جید عالم تھے جن کے شاگردوں میں حضرت شاہ امین احمد فردوسیؒ (۱۲۴۸ھ - ۱۳۲۱ھ) بھی تھے۔ عاصم بہاریؒ ان ہی بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

موصوف تلاش معاش کے سلسلے میں ۱۹۰۶ء میں کلکتہ پہنچے تو یہاں کھلی ہوئی علمی، سیاسی اور صحافتی فضا ان کی طبیعت کو خوب راس آئی۔ اپنا بیشتر وقت کتب بینی، مولانا قاضی عبدالجبار شیخپوری[1] اور مولانا ابوالکلام آزاد کی صحبتوں میں صرف کیا۔ گہرے مطالعہ اور ان صحبتوں نے انہیں اپنے آس پاس کے بے حد پسماندہ ماحول میں اصلاحی کاموں کی طرف مائل کیا۔ برسوں تعلیم بالغان کی اسکیم چلائی۔ چنانچہ بے لوث خدمات نے ان کے معتقدوں کا ایک گروہ تیار کردیا۔ لیکن جہاں معتقد ہوتے ہیں وہاں کچھ نہ کچھ مخالفوں کا ہونا بھی ایک طرح سے لازمی ہے۔ چنانچہ ان پر ایک بار قاتلانہ حملہ بھی ہوا۔ سینے میں گہرا زخم آیا مگر قاتل کو معاف کردیا اسی دوران ایک اہم تازہ تصنیف "التمدن"[2] (یا تاریخ المنوال ذاہلہ حصہ اول و دوم ۱۹۱۱ء) کے مطالعہ نے موصوف کی زندگی میں ایک نیا انقلاب پیدا کردیا اور اپنے ماحول میں اصلاحی کاموں کا محدود پیمانے پر باضابطہ آغاز کردیا کیونکہ کتاب التمدن کے مصنف نے انصاریوں (بُن کر برادری) کی پوری تاریخ پیش کرنے کے بعد آخر میں "اپیل بخدمت قوم" کے زیر عنوان انہیں یہ ترغیب دی تھی کہ:

۱؎ بانی "انجمن الاصلاح رفعؒ بالاشتباہ" ۹-۱۹۰۸ء۔ تانتی باغ۔ کلکتہ۔

۲؎ مصنفہ مولانا عبدالسلام مبارکپوری، تاریخ وفات جنوری ۱۹۲۴ء (بحوالہ المومن کلکتہ، جلد ۲، صفحہ ۲ فروری ۱۹۲۴ء۔

"تم اپنے بچّوں کو تعلیم دلانا فرض سمجھو۔ بغیر اس کے آج انسان دوسروں کا دست نگر ہے، اپنی تعلیم گاہوں کے لئے کانفرنس قائم کرو۔ قدم بڑھاؤ۔ جب تک بالخصوص تمہاری کوئی کانفرنس قائم نہ ہوگی تمہارا اُبھرنا مشکل ہے۔ تمہاری آبادی دنیا میں بہت بڑھی ہوئی ہے۔ تم میں ہر طبقہ کے لوگ ہیں۔ ممالک اسلامیہ کی فہرست بھی تم نے پڑھی، کیسے کیسے باکمال صنّاع تم میں گذرے ہیں، کیسے کیسے عالم، فاضل، صاحب کمال ہوئے ہیں۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ قرآن کو مضبوط تھامو۔ یہی کتاب تمام دین و دنیا کی ترقی کا راستہ بتائے گی اور حدیث و فقہ پر عمل کی ہدایت کرے گی"[1]

چنانچہ موصوف نے بڑی مسجد تانتی باغ (کلکتہ) کے آس پاس نوجوانوں کے درمیان اصلاحی کاموں کا باضابطہ آغاز کر کے اس بحر مردار کے پسماندہ مسلمانوں کو اچھوت ہونے سے بچانے کی مہم شروع کر دی۔ انہیں اپنی تحریک کا اولین سبق یہ دیا کہ "اپنے کو کمتر مت جانو اور ہر کمی کو پورا کرو"۔

بہت جلد انہیں یہ احساس ہوگیا کہ کوئی بڑی اہم اصلاحی تحریک محض چند تقریروں اور جذباتی اپیل پر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ چنانچہ قریب ترین ۱۰۔۱۲ تجربہ کار اور باصلاحیت احباب کے تعاون سے ایک "دارالمذاکرہ" قائم کیا[2]۔ ہفتوں غور و فکر اور بحث کے بعد "دارالمذاکرہ" کے اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط طے کئے گئے۔ عہدوں کی کشاکش سے بچنے کے لئے ہر چھ ماہ پر ایک امیر المجلس کا انتخاب عمل میں آتا جس کے حکم کی تعمیل ارکان پر

۱؎ تاریخ المنوال، حصہ دوم، صفحہ ۱۰۴۔

۲؎ بمکان حاجی محمد اسمٰعیل، تانتی باغ لین، کلکتہ۔

لازمی تھی۔ البتہ خلاف شرع احکام و حرکات پر ارکان امیر کو برخاست کرنے کے مجاز تھے۔ اس کے اوّلین امیر عاصم بہاریؒ منتخب کئے گئے۔

ارکان مجلس نے اپنی تربیت اور داخلی استحکام کے لئے جو "نصاب" مقرر کیا اس میں قرآن پاک مع ترجمہ و تفسیر، حدیث شریف مع ترجمہ و توضیح۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، سوانح حضرات صحابہ کرامؓ و صلحائے مجدّدینؒ امّت، اولوالعزم لوگوں کے کارنامے، تاریخ اسلام اور تاریخ عالم پر منتخب کتابوں کے علاوہ اخبار و رسائل بھی شامل تھے۔ "عوام اور اہل قبیلہ" کی تعلیم و تربیت کے لئے ہر سنیچر کو ۱۰ بجے شب[1] سے کاروائی کا آغاز ہوتا۔ اور بسا اوقات ایک دو بجے رات تک کاروائی جاری رہتی۔ اوّلین اجتماعات میں تقریروں کے موضوعات کچھ اس قسم کے تھے "علم کی عظمت، کتب بینی کی اہمیت، قوموں کے عروج و زوال کے اسباب، تنظیمی زندگی کی برکات" وغیرہ۔ مقرّرین ان موضوعات پر پوری تیاری کے ساتھ آیا کرتے۔ چند ہی ہفتوں کے بعد جگہ کی تنگی کے باعث اجتماعات مسجد کی پشت[2] پر کھلی جگہ میں منعقد ہونے لگے۔

دارالمذاکرہ کے اغراض و مقاصد میں "دینی و دنیوی فلاح"، تعصبات فرقہ بندی (ذات پات) سے اجتناب، کوشش اتحاد باہمی، احتساب، ہفتہ وار[3] مجلس، مفید موضوعات پر تقریر و تحریر اور کتب خانہ کے قیام کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔

۱؎ کیونکہ بیشتر شرکاء، مزدور پیشہ اور غریب ہوا کرتے تھے جنھیں دن میں فرصت نہیں ملتی تھی۔

۲؎ جہاں ان دنوں ایک مدرسہ ہے۔ ۳؎ ابتدا میں سہ روزہ اجتماعات ہوا کرتے تھے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "بندۂ مومن کا ہاتھ" (مفصل سوانح حیات عاصم بہاریؒ و تاریخ آل انڈیا مومن کانفرنس) زیر ترتیب از راقم الحروف۔

دار المذاکرہ کے اجلاس پنجم (منعقدہ ۲۵ جولائی ۱۹۱۹ء مطابق ۲۶ شوال ۱۳۳۷ھ) میں تفسیر وسیرت کی کتابوں کے انتخاب پر دیر تک اظہار خیال کے بعد مندرجہ ذیل تصانیف کا انتخاب عمل میں آیا:

"حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فارسی ترجمہ قرآن پاک۔

ڈپٹی نذیر احمد مرحومؒ کا ترجمہ قرآن مجید۔

سیرت النبیؐ۔ علامہ شبلی نعمانی۔

رحمت اللعالمینؐ، سوانح صدیق اکبرؓ، الفاروقؓ، سوانح ذی النورینؓ، سوانح مرتضیٰ حیدرؓ، سوانح عمر بن عبدالعزیزؒ، نظام الملک۔ (ترجمہ) اقوام الممالک۔ تذکرۃ الکرام، ماثر الکرام۔ انقلاب امم۔ فغانِ ایران۔"

ماہ اگست ۱۹۱۹ء کی مجالس میں تقریر کے اہم عنوانات تھے۔ "توحید، مساوات اور دوستی" وغیرہ۔

ماہ ستمبر میں مولانا آزاد کا مقالہ "عید الاضحیٰ" (قسط وار مقالہ شائع شدہ الہلال جلد اول) خصوصیت کے ساتھ مجلس کے زیر مطالعہ رہا۔

جلد ہی خلافت تحریک اور جلیان والا باغ کے حادثے نے پورے ملک کو ایک نئے رُخ پر ڈال دیا۔ چنانچہ عاصم بہاریؒ نے اب بہار اور بنگال پیمانے پر "جمعیۃ المومنین" کے نام سے ایک باضابطہ تنظیم کی داغ بیل ڈالی۔ اس تنظیم کے خاکے سے بھی ہم موصوف کے طریقۂ تربیت کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں:

اول، تنظیم:

(الف) مقامی۔ یعنی ہر جگہ ذی علم ومعززین وسرداران سے مرکب ایسی پنچایت (ذیلی شاخیں) ہو جو ذمہ دارانہ طور پر مقامی کاموں کو شریعت اسلامیہ کے

مطابق انجام دے۔

(ب) مرکزی۔ یعنی تمام اضلاع بہار کے نمائندے ایک جماعت کا انتخاب کریں جو پورے صوبہ بہار کے کاموں کی نگرانی کرے اور قبیلہ کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری معلومات بہم پہنچائے اور ششماہی یا سالانہ صوبہ کی کانفرنس منعقد کرائے۔ جلد از جلد ہفتہ وار یا دو ہفتہ وار رسالہ جاری کرنے کا بندوبست کرے۔

دوم، تعلیم:

(الف) عام۔ جو تمام افراد قبیلہ کے واسطے ضروری ہو اور تبلیغ واشاعت کے ذریعے انجام پائے۔

(ب) خاص۔ صرف بچوں کے لئے جس میں سب سے زیادہ توجہ تربیت پر دی جائے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا سامان بہم پہنچایا جائے۔

سوم، اصلاح معاشرت:

(الف) اخلاق۔ یعنی غیر شرعی وفضول رسم ورواج کو بتدریج مٹانے کی کوشش کرنا۔

(ب) اقتصادی۔ مفید صنعت وتجارت کی طرف راغب کرنا اور موجودہ صنعت پارچہ بافی کو فنی حیثیت سے ترقی دینا۔ جمعیت کا دائرہ عمل قبیلۂ نوربافان تک محدود ہو۔

سچ پوچھئے تو آگے چل کر آل انڈیا مومن کانفرنس کی پوری تحریک بھی ان ہی خطوط پر آگے بڑھی۔ عاصم بہاریؒ نے تاحیات توسیع مقاصد کے باوجود تحریک کی ان دینی و اخلاقی بنیادوں کو اپنی حد تک کبھی کمزور نہیں ہونے دیا۔

اس سلسلے میں دورِ اوّل ہی سے مولانا ابو الکلام آزاد، محمد علی جوہر اور دیگر اکابر ملت سے وقتاً فوقتاً اصلاح و مشورے کرتے رہے اور کبھی کبھی اپنے جلسہ عام[۱] میں مدعو بھی کرتے رہے۔

آگے چل کر جمعیۃ المومنین تانتی باغ کی رکنیت کے لئے "عہد نامہ" کی جو شرائط مقرر کی گئیں ان میں اسلامی بنیادوں کو اوّلین اہمیت دی گئی۔ رکنیت قبول کرنے کے وقت ہر رکن یہ عہد کرتا تھا کہ:

۱۔ آئندہ میں کسی قسم کا نشہ استعمال نہیں کروں گا۔

۲۔ ہمیشہ فسق و فجور سے پرہیز کروں گا۔

۳۔ اپنے بزرگوں کی عزت و احترام کروں گا۔

۴۔ اپنے قبیلہ یا دیس کا بُنا ہوا کپڑا پہنوں گا۔

۵۔ ہر ہفتہ دو گھنٹہ محض رضائے الٰہی کے لئے مسلمانوں کے فلاحی کاموں میں صَرف کروں گا اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں اپنے سردار کے حکموں کی تعمیل کروں گا۔

جلد ہی نوجوانوں کارکنوں کا ایک "رضا کار دستہ" بھی مرتب کر لیا گیا جس کی ایک مخصوص وردی تھی اور جو شہر کے مختلف مواقع پر خدمت خلق کے بیش بہا کام انجام دیتا۔ اپریل ۱۹۲۱ء سے ان اغراض و مقاصد کو مزید شہرت دینے کے لئے انہوں نے دیواری اخبار "المومن" کا بھی سلسلہ شروع کیا۔ رفتہ رفتہ یہ تحریک بہار و بنگال کے طول و عرض میں جڑ پکڑنے لگی اور انہیں تربیت یافتہ افراد کی کمی کھٹکنے لگی تو داخلی تربیت و استحکام کے لئے لیڈر شپ ٹریننگ کے ایک مخصوص نظام کو میثاق (یا اتحاد خاندان) ۲۳ راگست ۱۹۲۴ء

۱؎ ۱۰ رمارچ ۱۹۲۱ء کے جلسہ تانتی باغ میں مولانا ابو الکلام آزاد نے تقریر کی۔

کے نام سے بہار شریف میں آگے بڑھایا۔ فوری طور پر اس تنظیم میں "جانثار، آزمودہ احباب و اعزہ" کے علاوہ کسی اور کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس تنظیم کی شورائیت، اطاعت امیر، عقیدہ سنت والجماعت ماہانہ اور سالانہ نشستوں کی پابندی میں بڑی سختی تھی۔ اوّلین رئیس میثاق (یا "اتحاد") عاصم بہاری رح منتخب کئے گئے۔ ارکانِ میثاق کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا اقرار کرنا لازمی قرار دیا گیا۔

۱۔ اقرار شرعی کرنا (الفاظ ہیں)۔

۲۔ اطاعت رئیس۔

۳۔ شرکتِ اجلاس سالانہ (۵ ر ذی الحجہ تا ۱۵ ر محرم الحرام)

۴۔ "اتحاد خاندان" کی طے شدہ باتوں کی رازداری کرنا۔

۵۔ بغیر اجازت "اتحاد" کسی شخص پر تبلیغ نہیں کرنا۔

۶۔ عہد کے پہلے کی تمام رنجشوں اور قصوروں کو باہم دگر معاف کرنا۔

۷۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرنا ورنہ عدم تعمیل پر احتساب بلاعذر کرنا۔

۸۔ اپنے آمد و خرچ کا برابر حساب رکھنا اور اس کا خلاصہ سالانہ اجلاس میں پیش کرنا۔

۹۔ اپنی آمدنی سے فی روپیہ ایک پیسہ ماہوار "اتحاد" میں دینا۔

۱۰۔ ایسی تمام باتوں سے پرہیز کرنا جس میں "اتحاد خاندان" کی بدنامی ہو۔

۱۱۔ اپنے خاندان کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے ایسا کامیاب بنانا جو دینی اور دنیاوی طور پر نمایاں مثال ہو۔

اگلے سال[۱] میثاق کی گذشتہ کارروائیوں کا سختی سے محاسبہ کیا گیا۔ دفتری مراسلت میں

۱؎ ۷ رمحرم الحرام ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۹ رجولائی ۱۹۲۵ء

کمی، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور اعانت بیت المال میں کوتاہی پر تنقید کی گئی۔ اس سالانہ نشست میں میثاق کے ایک رکن (محبوب حسین، کلکتہ) بلاعذر معقول شریک نہ ہو سکے تو سال رواں کے نئے رئیس محمد نعیم الحق ایوبی نے حکماً ان کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ محبوب حسین نے بعد میں معذرت نامہ ارسال کیا اور توبہ کی تب ان کو دوبارہ اجازت دی گئی۔ اسی طرح ایک سال (۱۹۲۶ء) محمد علی جانؔ[1] کو ان کی کوتاہیوں کے سبب رکنیت سے خارج کر دیا گیا تھا۔ ایک اور رکن عبداللطیف کے خلاف بھی کارروائی کی گئی مگر ان کا عذر معقول پایا گیا اس لئے ان کا اخراج رُک گیا۔

ان تربیت یافتہ افراد کے اشتراک وتعاون سے عاصم بہاریؒ نے پورے بہار شریف کو دینی وعلمی اور تہذیبی اعتبار سے بیدار کرنے کے لئے محلہ وار "دارالتربیت[2]" بھی قائم کیا۔

سید مہدی حسن وکیل کی نظامت میں جمیعۃ الاسلامیہ بہار شریف قائم ہوئی تو ملی جذبہ کے ماتحت موصوف نے اس تنظیم کو اپنا بھرپور تعاون پیش کیا۔ یوں یہ جمیعۃ کئی برسوں تک خاصی سرگرم رہی۔ راجہ بازار (کلکتہ) کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو "مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی" قائم کرنے پر آمادہ کیا تو انہیں بھی دینی واخلاقی اُصولوں پر ہمیشہ کاربند رہنے کی تلقین کی۔ اور عمر بھر خود بھی ان بنیادوں پر تمام تنگیوں کے باوجود سختی سے عامل رہے جس کی گواہی خود مولانا ابوالکلام آزاد نے جمیعۃ المومنین کے ایک جلسہ (منعقدہ ناتی باغ کلکتہ

---

[1] ساکن محلہ مسوڈیہہ، سوہ سرائے۔ ضلع نالندہ (بہار)۔

[2] جو ایک لائبریری، ایک مکتب یا مدرسہ پر مشتمل ہوتا اور جس کی ماہانہ نشستیں پابندی سے منعقد ہوئیں۔ یہ اصلاً جمیعۃ الانصار (یا جمیعۃ المومنین) کی ذیلی شاخیں تھیں۔

۱۰ ستمبر ۱۹۲۱ء) میں اپنی تقریر[1] میں پیش کی۔

"تم کو خداوند تعالیٰ کا شکرگذار ہونا چاہئے کہ تمہارے درمیان ایسے بہی خواہ قوم موجود ہیں جنھوں نے تمہاری بہتری واصلاح کی دُھن میں اپنی زندگی کو وقف کر دیا ہے۔"

عاصم بہاریؒ اصلاً ہمہ گیر اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے اس لئے انہوں نے اپنی تحریر وتقریر میں بارہا انگریزوں اور زمینداروں کے ظلم وستم، علمائے سوٗ اور "صوفی پیروں" کے مکر وفریب نیز برادری کے ہر قسم کے سرداروں ("معصوم، مصروف اور مسموم") کی ریشہ دوانیوں اور غربت وجہالت کو قرآن وسنّت کی روشنی میں ہمیشہ اپنی طنزیہ وتنقید کا نشانہ بنایا۔

عاصم بہاریؒ کے اسی فکر اسلامی کا یہ نتیجہ تھا کہ آل انڈیا مومن کانفرنس کے دور عروج میں جب اس کا "دستور العمل" منظور[2] ہوا تو اس کے چار اغراض ومقاصد میں جس شق کو اوّلیت حاصل تھی اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"اسلام وملک کی عام خدمت، بالخصوص اسلامی مساوات کی عملاً وقولاً تبلیغ وحمایت۔"

آگے چل کر مومن کانفرنس عاصم بہاریؒ جیسے "مومن حنیف" سے چونکہ محروم ہو گئی اس لئے خالص سیاست کا شکار ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ کل ہند مومن کانفرنس کے اجلاس نہم

---

[1] "ابتدائے خیال" صفحہ ۲۰۔

[2] ۱۰ فروری ۱۹۳۵ء دستور کے "نوٹ" میں یہ اضافہ کیا گیا کہ "اس کانفرنس کو اختلافی مسائل مذہبی اور غیر آئینی جد وجہد سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔"

(منعقدہ پٹنہ ۱۹۴۸ء) میں جو دستور اساسی منظور کیا گیا۔ اس کا مقصد اس فکر اسلامی سے یکسر خالی ہو گیا جس کے لئے عاصم بہاریؒ زندگی بھر جد و جہد کرتے رہے۔ لہذا اس کے نتائج بھی اس کی مناسبت سے نہایت تلخ اور مایوس کن ثابت ہوئے اور چند سیاسی و اقتصادی اغراض کے حصول کا ذریعہ بنا کر چند قسمت آزما اور حوصلہ مند افراد نے اپنا آلہ کار بنا لیا۔ کاش! کہ اب بھی لوگ عاصم بہاریؒ کے طریق کار اور انداز تربیت کا ایمانداری سے مطالبہ کریں اور اپنے عمل کا جائزہ لیں۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا،
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

لہ "دفعہ ۱ مومن جماعت کی اقتصادی، سماجی، تمدنی اور تعلیمی فلاح و بہبود اور اس کے حصول کے ذرائع پر عمل کرنا۔

عاصم بہاری اکاڈمیؔ

معزّز مہمانان کرام، خواتین و حضرات!

ہم خادمان و ارکان عاصم بہاری اکادمی بیشک اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گذار ہیں کہ اپنی تمام بے سروسامانیوں، کوتاہیوں اور موسم کی سختی کے باوجود یوم عاصم بہاریؒ کے اس تاریخی موقع پر آپ جیسی معزّز ہستیوں اور مجمع کثیر کا استقبال کر رہے ہیں۔ ہم انتہائی مسرّت اور صمیم قلب کے ساتھ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں اور بجا طور پر توقع رکھتے ہیں کہ اس جلسۂ عام کے علاوہ اکادمی کو جب بھی آپ کے تعاون اور رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اپنی گوناگوں مصروفیات و مشاغل کے باوجود اس ادارے کی سرپرستی اور ارکان ادارہ کی حوصلہ افزائی میں کوتاہی نہ فرمائیں گے۔

محترم حضرات:

کسی نے سچ کہا ہے کہ بے خبری ماضی سے ہو یا حال سے یہ ہمیشہ سمّ قاتل ہوتی ہے کیونکہ بے خبری ہی کا دوسرا نام جہالت ہے۔ اور جہالت اس زہر کی مانند ہے جو آہستہ

لہ یہ مقالہ عاصم بہادری اکادمی کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسۂ عام، منعقدہ سوہ سرائے، بہار شریف مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۸۲ء (زیر صدارت جناب ضیاء الرحمٰن انصاری، صدر آل انڈیا مومن کانفرنس) کے موقع پر بطور خطبۂ استقبالیہ پیش کیا گیا۔

آہستہ رگ و پے میں سرایت کرتا ہے اس طرح کہ آہٹ تک نہیں ملتی اور بالآخر کام تمام ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک بے خبری اور احسان ناشناسی ہی تو ہے کہ ابھی محض چند ہی برس گذرے ہیں کہ مجاہد آزادی، مولانا آزاد اور مہاتما گاندھی کے دست راست، حق و انصاف کے علمبردار، مظلومین و مقہورین کے حامی و مددگار بانیٔ جمیعۃ المومنین مولانا علی حسین عاصم بہاریؒ کی خدمات اور کارناموں کو ہماری نئی نسل نے تقریباً بھلا دیا تھا۔ اسلامی و انسانی نقطۂ نظر سے ہم ذات پات یا شخصیت پرستی کی بنیاد پر کسی کام کو اچھا نہیں سمجھتے۔ عاصم بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بھر ان دونوں بتوں کے خلاف جہاد کیا مگر تاریخ کی یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ مہاتما بدھ کی طرح وہ جس خرابی کو دور کرنے کا مشن لے کر اُٹھے تھے آگے چل کر اسی خرابی کا ان پر الزام عاید کر دیا گیا۔

لہٰذا عاصم اکادمی اصلاً عاصم صاحب کی شخصیت کے بجائے ان کے مشن کو اپنے حدود میں علمی و اخلاقی بنیادوں پر آگے بڑھانے کا عزم لے کر اُٹھی ہے۔ البتہ احسان شناسی کے طور پر ان کی خدمات اور کارناموں کی یاد بھی تازہ رکھنا چاہتی ہے کہ محسنوں کے تذکرے ہی قوموں کی تاریخ کے سُنہرے ابواب بنتے ہیں ـــــ

حضرات! عاصم اکادمی کی ضرورت و اہمیت اس لئے بھی ہے کہ آزاد جمہوری حکومتوں میں اس طرح کے ذیلی ادارے آزادی و جمہوریت کی ضمانت ہوتے ہیں۔ ایسے خودمختار و خودکار اداروں کے بغیر نہ سماجی اصلاح کا کام موثر ہو سکتا ہے نہ سرکاری اُصول و احکام اور اقدامات کی پرکھ ممکن ہے۔ اسی لئے اس اجلاس کا مقصد نشستند و گفتند و برخاستند نہیں ہے بلکہ کم از کم بہار شریف پیمانے پر مسلم اقلیتوں کی تعلیمی، اخلاقی اور معاشی پسماندگی کو حتی الوسع دور کرنے کے لئے ایک ادارے کا قیام ہے۔

آل انڈیا مومن کانفرنس کے بانی اور اس تحریک کے روح رواں عاصم بہاریؒ نے

اس برصغیر کے مسلمانوں میں اسلامی بنیادوں پر اتحاد و بھائی چارہ کے قیام، ذات پات کی لعنت کے خلاف جہاد، جدوجہد آزادی، قومی یکجہتی اور پسماندہ مسلم برادریوں بالخصوص بنکروں کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کر کے جو تاریخی کارنامہ انجام دیا ان کی ایک جھلک آپ نے سیمینار کی نشستوں اور سوونیر کے مقالوں میں ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ ہم ان باتوں کو یہاں دُہرانا نہیں چاہتے۔ البتہ یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ بالعموم انصاریان ہند اور عاصم بہاریؒ کے بالخصوص بہاری ہموطنوں نے ان کے مشن، پیغام اور نصب العین کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اس غفلت و بے عملی کے نتیجے میں آج ہم کس مقام پر کھڑے ہیں؟

آل انڈیا تحریک کے قیام سے پہلے عاصم بہاریؒ نے مسلسل مطالعہ اور عملی تجربات کے بعد دس بارہ برسوں تک منصوبہ بند طریقے سے پورے بہار شریف اور کلکتہ میں "دارالمذاکرہ، دارالتربیت، میثاق اور جمیعۃ الاسلامیہ" (بہار شریف) وغیرہ کے ذریعہ پہلے کردار سازی کی ایک مہم چلائی۔ تربیت یافتہ افراد کی ایک ٹیم تیار کرنے کے بعد ہی انہوں نے اوائل بیسویں صدی میں ابتداءً جمیعۃ المومنین بہار شریف، جمیعۃ المومنین کلکتہ اور جمیعۃ الانصار بہار جیسی تنظیمیں قائم کیں۔ ان ہی کی بنیاد پر آگے چل کر آل انڈیا مومن کانفرنس کی تشکیل عمل میں آئی۔ انہوں نے مہاتما گاندھی کی "ہریجن تحریک" کی طرح خاص کر مسلمانوں کی پسماندہ برادریوں کو ہمہ گیر قسم کی احساس کمتری کی دلدل سے نکالنے کی انتھک محنت کی اور جسے وہ عمر بھر دینی و اخلاقی، علمی و صنعتی نیز سیاسی و سماجی سطحوں پر مسلسل آگے بڑھاتے رہے۔ جدوجہد آزادی میں اس تحریک کے مثبت رول کا اعتراف مشہور یورپی مورخ ولفرڈ کینٹ ویل اسمتھ ـــــ (WILFRED CANTWELL SMITH) نے اسلام دشمن خیالات کے باوجود اپنی تازہ تصنیف "موڈرن اسلام اِن انڈیا" (MODERN ISLAM IN INDIA) میں ان الفاظ میں کیا ہے:

"THE BASIC IDEA (OF MUMIN ANSAR PARTY OR ALL INDIA MUMIN CONFERENCE) HAS BEEN TO RAISE THIS COMMUNITY ECONOMICALLY AND CULTURALLY, AND TO PROTECT IT ....

.... THE PARTY HAS BEEN APPOSED TO THE LEAGUE, TO Mr. JINNAH AND TO PAKISTAN" [ط]

ترجمہ: "اس (مومن انصار پارٹی یا آل انڈیا مومن کانفرنس) کا بنیادی تصور قوم کے معاشی اور ثقافتی تحفظ و ارتقا کا رہا ہے ---------- یہ پارٹی (مسلم) لیگ، مسٹر جناح اور پاکستان کی مخالفت رہی ہے۔"

حضرات! ان حقائق کے باوجود آزادی کے بعد عملاً ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوا؟ تانا بھگتوں، آدی باسیوں اور ہریجنوں کو نہ صرف انعام و اکرام سے نوازا گیا بلکہ سرکاری و سیاسی سطح پر اس قدر اچھالا گیا کہ ہر پنج سالہ منصوبے میں ان کی تعمیر و ترقی کے لئے کروڑوں روپے مختص کر کے بجا طور پر ہمہ گیر انداز میں آگے بڑھایا گیا اس کے برعکس پسماندہ مسلم برادریوں کو نظر انداز کر کے بتدریج انہیں ہریجنوں اور شودروں کے مقام پر پہنچا دیا گیا۔ دور کی مثالوں کو چھوڑ دیجئے، میں آپ کے سامنے عاصم بہاریؒ کے اس وطن بہار شریف کے ان دو معروف پیشوں کے حوالے سے کچھ اشارے کرنا چاہتا ہوں جس میں صدیوں سے یہاں کی کثیر ہندو اور مسلم آبادی مصروف ہے۔ یعنی زراعت (کھیتی باڑی) اور پارچہ بافی (بنائی تنائی)

PUBLISHED BY USHA PUBLICATION, NEW DELHI [ط]

REPRINT- 1979, PAGE 275.

آزادی کے معاً بعد تقاوی قرضے، بجلی بورنگ، کھیت کھیت، پمپنگ سٹ، بلوک ڈیولپمنٹ، کولڈ اسٹوریز اور اس کے ساتھ ہی اسکول و کالجز کی تعمیر اور ان کی سرکاری سرپرستی کا جو دور آیا اس نے دیکھتے ہی دیکھتے قابل رشک طور پر محض چند برسوں میں یہاں کی کسان برادری کے لیل و نہار ہی بدل دیے اس کے برعکس مومن بنکروں کی سوسائیٹیوں اور یونینوں کی تباہی سوت کنٹرول، کوئن ملوں کی گھپلے بازی، سرکاری کمیشنوں کی رپورٹ بازی اور مارواڑیوں کی غلامی نے صنعت پارچہ کا جنازہ ہی نکال دیا۔ عاصم بہاریؒ کے لفظوں میں:

"نتیجہ یہ ہے کہ لاکھوں لاکھ بنکر جن میں ہر ایک کے ساتھ چند آدمیوں کا کنبہ ہے فاقہ کشی و تباہی کا شکار ہے۔"

حالانکہ کل تک اس باوقار پیشہ سے بے شمار بیواؤں کی پرورش اور نادار طلبا و طالبات کی تعلیم و تربیت کا سامان ہوتا رہا۔ مگر یہ بنکر کسانوں کے مقابلے میں عمومی بدحالی کا شکار ہیں۔ وجہ ظاہر ہے: ؎

درخت جڑ پر ہے قائم تو استوار بھی ہے
کبھی ہے اس پہ خزاں تو کبھی بہار بھی ہے

یہ جو چند خاندانوں میں خوشحال نظر آ رہی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے صنعت پارچہ بافی کو ترک کر کے، وطن کو خیرباد کہہ دیا ہے اور دوسرے کاروبار میں لگ گئے ہیں۔ غربا کا طبقہ جہالت اور بیڑی سازی کی پناہ لینے پر مجبور ہے۔ حالانکہ آج اس صنعت پارچہ بافی کی ملک اور بیرون ملک میں کل سے کہیں زیادہ قدر اور مانگ ہے۔ عاصم بہاریؒ مرحوم نے بیسیوں برس قبل خبردار کر دیا تھا کہ

"بنکروں کو یہ بات خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جمہوری حکومت میں صرف اجتماعی کوششیں بارآور ہوتی ہیں اور اخبارات کی آواز پر دھیان

دیا جاتا ہے۔ انفرادی دوڑ دھوپ یا مقامی جد وجہد کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے۔"

خواتین وحضرات!

یہ صحیح ہے کہ بیرون بہار، آندھرا پردیش، راجستھان، مدراس اور مہاراشٹر وغیرہ کے مومنوں نے حالات کا مقابلہ کر کے اپنے جینے کا کچھ نہ کچھ سامان کیا ہے مگر یو،پی و بہار جہاں سے ایک زمانے میں عاصم صاحب کے لفظوں میں "دینی و دنیوی فلاح" کی روشنی سارے ملک میں پھیلی وہیں سب سے زیادہ انتشار اور اندھیر گردی مچی ہوئی ہے۔ بہار و یو،پی کی نوجوان نسل بالعموم اپنے شاندار ماضی سے بیگانہ، اپنی تاریخ ساز شخصیتوں سے بے خبر، حال سے بے نیاز اور مستقبل سے بے پرواہ بازاروں اور چائے خانوں میں جس طرح اپنی زندگی برباد کر رہی ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؔ کے لفظوں میں اس کی وجہ بھی بالکل واضح ہے۔ ؎

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو پھر پسر قابل میراثِ پدر کیونکر ہو

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو؟

ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

عاصم بہاری اکادمی دراصل عاصم بہاریؒ کے اس بھلائے ہوئے سبق کو اپنی حد تک یاد دلانے کا فریضہ انجام دینا چاہتی ہے۔ کارکنان اکادمی کو اس امر کا پورا احساس ہے کہ ان کے درمیان اب کوئی عاصم بہاریؒ جیسا مخلص اور ایثار پیشہ نہیں رہا نہ ان کے سر پر سرکاری سایۂ ہما ہے۔ حد تو یہ ہے کہ عاصم صاحب کے خون پسینے سے پروان چڑھی ہوئی آل انڈیا مومن کانفرنس کی تحریک کا جو افسوسناک نقشہ کھینچا تھا اس میں بیسوں برس کے بعد بھی کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی بلکہ اور زوال ہی آیا ہے موصوف کے لفظوں میں:

"آل انڈیا مومن کانفرنس اور صوبائی کانفرنسوں کے کارکن اس قدر "عدیم الفرصت" ہیں کہ ان کو کئی کئی مہینوں تک معمولی مجلس عاملہ وغیرہ کرنے کے لئے وقت نہیں ملتا ہے۔ مقامی اُلجھنوں کی دیکھ بھال نہ ہونے سے ہر جگہ پژمردگی کی کیفیت ہو گئی ہے۔"

اس عمومی مردنی اور اجتماعی بے حسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوآپریٹیو سوسائٹی، سوت کے کنٹرول چھوٹ (REBATE) پاور لوم اور کرگھا صنعت کی سرکاری ہمت افزائی سے خاطر خواہ استفادہ کے بجائے یہ وسائل اخلاقی بحران اور پوری صنعت کے زوال کا سبب بن گئے۔ ہر ہینڈ لوم کوآپریٹیو سوسائٹی کی تاریخ غبن، غضب، خورد برد، پارٹی بندی اور نفاق کی ایک داستان بن گئی۔ اس تشویشناک صورتحال کو پانچ، دس برسوں پر ایک آدھ جلسہ، کانفرنس، سیمینار یا الیکشن و سیاسی سرگرمیوں سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے تو کردار سازی کا وہی صدیوں پرانا پتہ ماری کا کام کرنا ہوگا۔ جیسے ملت اسلامیہ خوب جانتی ہے اور جس اصلاحی کام کو کر کے عاصم بہاریؒ صاحب ملک و ملت کی تاریخ میں ایک انمٹ نقش چھوڑا ہے۔

عاصم بہاریؒ اکادمی ایک غیر سیاسی ادارہ ہے جو بلا امتیاز مسلک جماعت و جمعیۃ اور سیاسی نقاط نظر کے خالص تعمیری و اصلاحی بنیادوں پر بطرز عاصم بہاریؒ محلہ وار دار المذاکرہ یا دار الترتیب کے ذریعہ فی الحال بہار شریف کے محدود پیمانے پر اپنے کام کا آغاز کرنا چاہتی ہے۔ اس کام کے تین واضح رُخ ہونگے یعنی تنظیم، تعلیم اور اصلاح معاشرہ۔

اکادمی کی خواہش یہ ہے کہ ابتدائی سطح پر ہر محلہ کی لائبریریوں کو اکادمی سب یونٹ (یا ذیلی شاخ) کی حیثیت سے متحرک کیا جائے۔ وہاں پندرہ روزہ یا ماہانہ گھنٹہ دو گھنٹہ کی نشستیں ہوا کریں جہاں علمی و اخلاقی تربیتی پروگرام کے علاوہ حالات حاضرہ کی روشنی میں

حتی الوسع اپنے چھوٹے بڑے مسئلوں کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کم سے کم عملی پروگرام کے بغیر عاصم بہاریؒ جیسے مصلح اور محسن کے نام پر محض جلسے جلوس کر لینا ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔ توقع ہے کہ اکادمی کی مرکزی باڈی تمام محلوں کے نمائندوں سے مشورے اور تبادلۂ خیال کے بعد جلد ہی اس سلسلے میں آپ کے سامنے کوئی تفصیلی پروگرام پیش کرے گی ——

خدا کرے اکادمی کو ایسے مردانِ کار نصیب ہوں جو اپنی مرکزی باڈی کے علاوہ محلہ وار شاخوں کی دینی و اخلاقی تربیت علمی و صنعتی ترقی اور سماجی بیداری میں اہم رول ادا کر سکیں۔ ممکن ہے یہ نمونہ ملک کے دوسرے خطوں میں بھی مشعلِ راہ کا کام دے سکے یہ سچ ہے کہ اس اکادمی کو اپنے بہت سے خاکوں میں ابھی رنگ بھرنا باقی ہے۔ فی الحال اس کی مرکزی باڈی نے یہ طے کیا ہے کہ جلد ہی عاصم بہاریؒ کی زندگی اور ان کی خدمات پر مشتمل ایک تصنیف منظرِ عام پر لائی جائے جو دراصل آل انڈیا مومن کانفرنس کی ایک مبسوط تاریخ[1] بھی ہوگی۔

حاضرین کرام!

بائیسی کے مخلصین نے اگر تعاون کیا تو عاصم صاحب کے نقشے کے مطابق اس رُخی اجتماعی تربیتی کاوش سے آگے چل کر انشاء اللہ ایسے مسیحا نفس پیدا ہو سکیں گے جو ان کے مشن

---

[1] مقام شکر ہے کہ "بندۂ مومن کا ہاتھ" کے زیرِ عنوان اس مبسوط تاریخ کو سوانح حیات مولانا علی حسین عاصم بہاریؒ کی شکل میں اس کی جلد اول کے پانچ سو صفحات راقم الحروف مکمل کر چکا ہے۔ اس تصنیف کی دوسری جلد مزید تین سو صفحات پر مشتمل ہوگی۔ اس تاریخی کارنامے میں آل انڈیا مومن کانفرنس کے پس منظر، آغاز کار، عہد بعہد ارتقا اور ملک و ملت پر اس تحریک کے ہمہ گیر اثرات کو دستاویزی اقتباسات اور تصاویر سے مزین کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ ملت کے بہی خواہوں اور اہل خیر حضرات کے تعاون سے یہ اہم تاریخی کارنامہ جلد ہی منظرِ عام پر آسکے گا ——

اور مقاصد میں نئی توانائی پیدا کر سکیں گے اور جن کے دم سے مستقبل میں تعمیرِ نو کی بہت سی توقعات قائم کی جا سکیں گی۔ ؎

کر مک ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

ہمیں یقین ہے ان تعمیری مقاصد کی تکمیل میں عوام و خواص پوری طرح معاون ہوں گے۔

ہم ایک بار پھر اپنی کوتاہیوں اور آپ کی صعوبتوں کے لئے معذرت خواہ ہیں اور آپ سب کے مخلصانہ تعاون کے بے حد شکر گذار ہیں۔ ؎

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

عاصم بہاریؒ ــــ اپنی تحریر کی روشنی میں

(الف) آل انڈیا مومن کانفرنس کی تحریک کیوں ؟

اس "تحریک اصلاح کی اصل بنیاد" یہ ہے کہ امتداد زمانہ سے مسلمانوں میں جتنی برادریاں بن گئی ہیں جن کو غلطی سے ذات یا قوم کے لفظ سے بھی یاد کرتے ہیں۔ (جو صحیح نہیں ہے کیونکہ قوم پوری جماعت کو کہتے ہیں کسی ایک شاخ کو نہیں) ان برادریوں کی اصلاح کے لئے اس طرح اسکیم بنائی جائے کہ برادری اپنے لوگوں کی تنظیم ابتدائی و مرکزی کو درست کرے۔ بچوں کو عام تعلیم اور صاحب استطاعت لڑکوں کے لئے اعلیٰ فنی، سائنسی، صنعتی، تجارتی، تحقیقی تعلیم کے انتظامات کیے جائیں۔ دنیا کے بدلے ہوئے حالات میں محنت و مزدوری، صنعت و تجارت کے جو جدید اُصول اور علمی طریقے رواج پاگئے اور رواج پا رہے ہیں ان سے واقف ہونے کی صورتیں پیدا کی جائیں۔

تاکہ ہر شخص کے لئے مطمئن کنبے کا سرپرست، پابند قانون آزاد شہری، بلند سیرت و کردار کا مالک، حقوق اللہ، حقوق العباد کو بخوشی ادا کرنے والا اور بہترین انسان بننے میں آسانیاں ہوں۔

لہذا کبھی کبھی ان مختلف برادریوں کے ذمہ دار نمائندے و کارکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے مجموعی طور پر یکجا ہو کر تبادلہ خیالات و مشورہ کیا کریں۔ جس میں مختلف قبیلوں میں اپنی اصلاح کی دقتوں کے تذکرے، سامانوں کی فراہمی کی پریشانیاں، مختلف افتاد طبیعت

رکھنے والے کارکنوں کی ذہنی و علمی اُلجھنوں سے جو رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں ان کی کیفیتیں بیان کی جائیں۔ اور جس قسم کی سہولتیں ملی ہیں سامان کی فراہمی میں جو آسانیاں ہوئی ہیں۔ پرجوش کارکنوں کی آمادگی میں جو چیزیں مددگار ثابت ہوتی ہیں ان کا ذکر کیا جائے۔

اس طریقہ اصلاح کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس بیسویں صدی میں مسلمانوں کی مجموعی اصلاح و ترقی کے لئے جتنی تحریکیں شروع ہوئیں وہ زیادہ تر بڑی بڑی ہندوستان گیر باتوں کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئیں ان کے ذریعہ ابتدائی اصلاح کی صورتیں پیدا نہ ہوسکیں کچھ اس وجہ سے کہ بڑے لوگ ہی اس کے کرتا دھرتا ہوا کئے جن کی نگاہوں میں چھوٹی چھوٹی باتوں کی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں تھیں۔ اور اگر اس پر نگاہ پڑ بھی گئی تو ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں پڑنا وہ اپنی بڑائی کے پیش نظر غلط خیال کرتے تھے ان کے سامنے بڑی بڑی باتیں تھیں۔ قوم کی نمائندگی حکومت میں مقبولیت، خطابات و عہدے کے حصول کی کوشش، کونسلوں کی ممبریوں تک پہونچنے کی "شاندار قومی خدمات" ظاہر ہے کہ ان بڑی بڑی اور ضروری باتوں کو چھوڑ کر لیڈری پیشہ رہنمایانِ قوم چھوٹی چھوٹی باتوں پر کس طرح دھیان دے سکتے تھے۔

(ب) صنعت پارچہ بافی کی کساد بازاری

اور

بنکروں کی پریشان حالی

اس وقت ہندوستان میں کرگھا بُننے والے ہندو مسلمانوں کی جو پُشتہا پُشت سے بُننے کا کام کرتے آرہے ہیں۔ اور جن میں بیشتر ایسے ہیں کہ بنائی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے ان کی زبوں حالی دردناک درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ سوت کنٹرول کے چھپے ہوئے دام سے بہت زیادہ قیمت ملتا ہے وہ بھی بدقت اکثر سوت سپلائی بے جوڑ یعنی جہاں باریک سوت کی ضرورت ہے وہاں موٹا اور جہاں موٹے سوت کے کپڑے تیار ہوتے ہیں وہاں باریک گراں سوت کی خریداری کے بعد جب تھان بازار میں آتا ہے تو لاگت کے دام بھی نہیں لگتے۔ مجبور ہو کر بیچنا چاہیں تو خریدار نہیں ملتے۔

ضروریات زندگی کی گرانی کی وجہ سے کچھ تو خرید کی طاقت کم ہوگئی ہے اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ بازار میں ملوں کے انواع اقسام کے کپڑے بہت ہوگئے ہیں۔ کرگھا کے کپڑوں کی طرف پبلک کی توجہ نہیں ہے نتیجہ یہ ہے کہ لاکھوں لاکھ بنکر جن میں ہر ایک کے ساتھ چند آدمیوں کا کنبہ بھی ہے فاقہ کشی و تباہی کا شکار ہو رہا ہے۔

سی پی و بمبئی میں بنکروں نے پاور لوم مشین کافی تعداد میں لگا رکھی ہے خصوصیت سے بھیمڑی، مالیگاؤں، پونا، دھولیا، چالیس گاؤں، برہان پور، جبل پور، ناگ پور وغیرہ۔

یہاں عجیب عجیب قسم کی پریشانیوں کا سامنا ان بنکروں کو ہو رہا ہے کبھی ممبری کا قصہ ہوتا ہے کبھی بجلی کے کنکشن کا معاملہ اُٹھتا ہے کبھی ٹیکس مارک کے لئے تحقیقات ہوتی ہے کہیں ۳۰/۹/۴۴ یعنی اس کے بعد جو پاور لوم چالو ہوتے ہیں ان کے لئے بیسیوں دقتیں ہیں۔ غرض کہ بہار میں بہار شریف، بھاگل پور، دربھنگہ، سنتھال پرگنہ، چھوٹا ناگپور سب جگہ نقد سوت لا کر کپڑے تیار کرتے ہیں اور ادھار مہاجنوں کو دے کر دھکے کھا رہے ہیں۔

یو، پی میں گورکھپور، گمھر، بستی، بارہ بنکی، سیتا پور، کانپور، بھدوہی، الٰہ آباد، پرتاب گڑھ، بریلی، شاہجہاں پور، مراد آباد، بجنور، سہارنپور، بلند شہر، علی گڈھ ہر جگہ بنکر قرض دوام میں فاقہ و بے کاری میں گھرا ہوا ہے۔ بمبئی و گجرات، سی، پی و مدراس کے ان مقامات کا بھی وہی حال ہے جہاں کپڑا تیار ہوتا ہے۔

حکومت دل سے چاہتی ہے کہ کرگھا کی صنعت تباہ نہ ہو، ترقی کرے اس نے کاٹیج انڈسٹریز کا محکمہ بنایا ہے گھریلو صنعتوں کی بہبودی کے لئے حکومت امداد کا اعلان کرتی ہے ابھی حال ہی میں ملوں پر چند پابندیاں حکومت نے اسی لئے عائد کی ہیں کہ دستی کرگھا اور بُننے والوں کو پریشانیاں کم ہوں۔

مگر ارباب حکومت تک بُننے والوں کی مصیبتوں کی داستان پہونچے تو کیونکر پہونچے آل انڈیا مومن کانفرنس اور صوبائی مومن کانفرنسوں کے کارکن اس قدر عدیم الفرصت ہیں کہ ان کو کئی کئی مہینوں تک معمولی مجلس عاملہ وغیرہ کرنے کے لئے وقت نہیں ملتا ہے۔ مقامی اُلجھنوں کی دیکھ بھال نہ ہونے سے ہر جگہ پژمردگی کی کیفیت ہوگئی ہے۔ کنٹرول کے خاتمہ کے بعد اکثر مقامات پر کشمکش و انتشار تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

اگر ہر جگہ مصیبتوں کا اظہار ہوتا تجویزیں حکومت تک جائیں۔ صوبائی و آل انڈیا کارکنان وفود کی صورت میں ذمہ داران حکومت سے ملتے اسمبلی کے مومن ممبران سوالات کرتے تجویزیں

ایسی مذہبی فضا پیدا کریں کہ پھر ان میں قرون اولیٰ جیسے پرستاران حق وصداقت ظاہر ہوں۔ چنانچہ اٹھارہ برس کے عرصہ میں تحریک جمعیت المومنین کے علاوہ ہندوستان کی ہر مفید تحریک میں جو مختلف وقتوں میں شروع ہوئی اپنے مسلک کا لحاظ رکھتے ہوئے شعبہ اصلاح و معاشرت میں سرگرم خدمت رہا۔ جس کی وجہ سے تعلقات کی وسعت پذیری و تحریک جمعیۃ المومنین کی تیز رفتار مقبولیت نے اس قدر مجبور کر دیا ہے کہ آئندہ بغیر ایک رسالہ کے اپنے کاموں کی نگرانی مشکل نظر آتی ہے۔ پس محض توفیق خداوندی کے بھروسہ پر اس دشوار گذار منزل میں قدم رکھنے کی جرأت ہوئی اور پندرہ روزہ رسالہ کے اجراء کا تہیہ کرنا پڑا۔

انشاء اللہ اپنی بے بضاعتی کے باوجود انتہائی کوشش کروں گا کہ بہترین اہل علم وقلم کے افکار دینیہ و علمیہ سے رسالہ کو مفید سے مفید تر بناؤں۔ مولائے بے نیاز کی ذرہ نوازی عنایت ہے کہ اس نے صوبہ بہار و ہندوستان کی جلیل القدر ہستیوں کو مہربان بنا دیا ہے۔ جنھوں نے رسالہ کی سرپرستی اور قلمی امداد کی اُمیدیں دلائی ہیں۔

(۱۵ر نومبر ۱۹۲۶ء)

(د) الاکرام کی آرزوئیں

۱۔ ہم خدا کے سچے بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو بن جائیں۔

۲۔ ہم میں تحصیل علم کا سچا شوق پیدا ہو۔

۳۔ ہمارے اخلاق۔ صحیح معنوں میں درست ہو جائیں۔

۴۔ ہم سے آپس کی فرقہ بندیاں دور رہوں۔

۵۔ ہم اقتصادی و معاشرتی زندگی کا بہترین نمونہ پیش کریں۔

۶۔ ہم سیاسی شور شغف پر مفید قومی و دینی مقاصد کو قربان نہ کریں۔

---

(۸) چوبائی چلے گی جلد!

سردیوں کا موسم ختم ہونے کے بعد جب گرمیوں کی ابتدا ہوتی ہے اور دھوپ میں تیزی آجاتی ہے تو ایک قسم کی ہوا چلتی ہے جس کو "چوبائی چلنا" کہتے ہیں۔ ہندوستان الیکشن کے آس پاس بھی کچھ اس قسم کی چوبائی چلتی ہے جس سے لاتعداد غریب عوام کی صحت و عافیت اور عاقبت بھی برباد ہوتی ہے مگر الیکشن کے بعد کوئی ان مصیبت زدوں کو دیکھنے والا نہیں ملتا کوئی ان پریشاں حال لوگوں کی خبرگیری کرنے والا باقی نہیں رہتا وہ چوبائی کے بعد لاپتہ ہوجاتے ہیں۔ سکون ہونے کے بعد اگر کچھ دکھائی دیتا ہے تو کہیں کہیں کامیاب اُمیدوار جو اب "ایم، ایل، اے" بنا پھرتا ہے۔ اب اس سے کوئی دریافت نہیں کرسکتا تھا کہ بھائی تونے چوبائی چلتے وقت بہت سی باتیں کہی تھیں۔ بہت سے وعدے کئے تھے۔ بہت سی اُمیدیں دلائی تھیں وہ سب کیا ہوئے وہ تو اطمینان سے ان باتوں کو سُننے کے لئے بھی تیار نہ ہوسکیگا۔ کہدے گا کہ اس وقت تو فرصت نہیں جو سب کمیٹی کی میٹنگ میں جا رہا ہوں۔ فلاں کمیشن میں میرا نام دیا گیا ہے۔ اس کا پروگرام معلوم کرنے جانا ہے، فلاں عہدہ دار یا منسٹر کے یہاں ملنے کا یہ وقت مقرر ہے دورے سے واپس آؤں تو ملنا۔ کیوں نہ ہو اب یہ بیچارا "ایم، ایل، اے" ہوگیا ہے۔ اور میں تو سمجھتا ہوں کہ "اِلَّ اِے بِلے" ہوگیا ہے اب بے چارے سے کوئی بات پوچھنا ہی فضول ہے اس کے متعلق اگر کچھ دریافت کرنا ہو تو بس اللہ میاں سے معلوم کرو کہ "کَیفَ خُلِقَتۡ ط"

(۹) ہندوستانی مزاج

ہندوستان میں رہنے والوں کی افتاد (طبع) کی یہ عجیب خاصیت ہے کہ جب کبھی ان میں اختلاف یا خلاف مزاج کوئی بات ہوجاتی ہے تو جب تک خوب نقصان نہ اُٹھالیں یہ کبھی آپس میں نہیں ملتے ہیں۔

بھائی بھائی ہوں، خاندان خاندان ہوں، گاؤں کے گاؤں ہوں، پنچایت کے پنچایت ہوں، فرقہ کی بات آن پڑے تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے کہ خوب ٹھن جاتی ہے کافی نقصان اور پریشانی ہوتی ہے۔ بعض وقت مالی و جانی نقصانات ہوتے ہیں اور اگر کہیں یہ اختلاف دو مذاہب کے نام پر ہوگئے تو پھر چنگیز و ہلاکو کی روح ندامت سے پانی پانی ہوجاتی ہے۔

مولانا علی حسین عاصم بہاری ـــ آئینۂ ایام میں

۱۸۹۰ء مطابق ۱۳۰۸ھ ۔ سال پیدائش، بمقام محلہ خاص گنج، بہار شریف

۱۹۰۶ء ۔ عملی زندگی کا آغاز، اوشا کمپنی کلکتہ میں ملازمت، ملکی و ملی حالات سے متاثر ہو کر ملازمت سے مستعفی ہو کر بیڑی سازی کے آزاد معاش کو اختیار کیا۔ پھر پارک سرکس کلکتہ میں ایک دوکان کھولی اور محدود پیمانے پر تحریک واصلاح کا کام شروع کر دیا۔ لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے۔

۱۹۱۲ء ۔ مسلمانوں کی سماجی اور معاشرتی زندگی کو سدھارنے، مومنوں اور دیگر پسماندہ برادریوں کو بیدار کرنے کے لئے ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۷ء ایک پنج سالہ منصوبہ بنایا اور بہار شریف پیمانے پر محلہ وار انجمن اور لائبریریوں کا قیام عمل میں لانا شروع کیا۔

۱۹۱۴ء ۔ محلہ خاص گنج کی بزم ادب کے زیر اہتمام ایک گراں قدر لائبریری قائم کی۔

۱۹۱۸ء ۔ تانتی باغ کلکتہ میں ایک دار المذاکرہ قائم کیا جس میں بعض علماء کے تعاون سے نوجوان مزدور پیشہ شب میں قرآن وحدیث، تاریخ اسلام اور حالات حاضرہ پر گھنٹوں تقریریں اور غور وبحث کرتے۔

۱۹۲۰ء ۔ تانتی باغ کلکتہ میں "جمعیۃ المومنین" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔

۱۹۲۱ء ۔ ۱ر مارچ۔ "جمعیۃ المومنین کلکتہ کے پہلے سالانہ اجلاس (تانتی باغ) میں دیگر

زعماء ملت کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی جلسہ عام کو خطاب کیا۔

• ـ اپریل ۔ اپنی تنظیم کے اغراض ومقاصد کی تشہیر کے لیے ایک دیواری اخبار "المومن" کا سلسلہ شروع کیا جو بے حد مقبول ہوا۔ دیواری المومن، مولانا محمد یحییٰ بہاری کی ہمت سے اوائل ۱۹۲۳ء میں ماہنامہ رسالہ "المومن" کی شکل میں کلکتہ سے جاری ہوا۔

• ـ ۱ر ستمبر، جمعیۃ المومنین تانتی باغ کلکتہ کا دوسرا جلسہ عام منعقد ہوا جس میں مہاتما گاندھی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ جیسے سربرآوردہ رہنماؤں نے شرکت کی اور جلسے کو خطاب کیا۔ اس موقع پر گاندھی جی نے کانگریس کی طرف سے ایک خطیر رقم تحریکی غرض سے دینا چاہا مگر عاصم بہاری نے شکریے کے ساتھ لینے سے انکار کیا۔

• ـ ۱۰ر اکتوبر، سے اپنے دورۂ بہار کا روزنامچہ مرتب کرنا شروع کیا۔ یہ روزنامچہ ۴ر جون ۲۲ء تک اشعار پر مشتمل ہے۔

• ـ ۱۷ر نومبر، جمعیۃ المومنین بہار شریف کا قیام۔

• ـ دسمبر، محلہ سوہ ڈیہہ، بہار شریف میں جمعیۃ المومنین کے جلسہ عام کو خطاب کرنے کے وقت ان کے بیمار نوزائیدہ بچے کے انتقال کی خبر ملی۔

• ـ جمعیۃ انجمن انصار بہ پٹنہ کا قیام۔

۱۹۲۲ء ۔ ۳ر ۔ ۴ر جون کو جمعیۃ الانصار صوبۂ بہار کی نوربافت کانفرنس بہار شریف میں منعقد ہوئی۔ زیر صدارت مولانا فرخند علی سہسرامی، بمقام مدرسہ قومیہ بہار شریف۔ مندوبین کی ضیافت اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمود احسن کی شادی کے لیے خریدے گئے غلہ اور زیورات کو فروخت کر کے کی گئی۔

اس کانفرنس سے پہلے اور بعد میں پورے بہار کا مہینوں تنظیمی دورہ کیا۔

- ۱۹۲۳ء، جنوری تا اپریل دورۂ نوادہ، گیا، بھاگلپور، مونگیر اور شیخپورہ وغیرہ۔
- ۱۹۲۴ء، ۲۳ر اگست۔ محلہ خاص گنج اور بہار شریف کے مخصوص احباب پر مشتمل ایک انتہائی فعال ٹیم ’مجلس میثاق‘ (یا اتحاد خاندان) کے نام سے قائم کی تاکہ آگے چل کر یہ مخلصین تنظیم و تحریک کو آگے بڑھا سکیں۔ اس مجلس کے پہلے امیر عاصم بہاری منتخب کیے گئے۔
- ۲۸ر دسمبر۔ انگریزی سامراج کے مظالم اور نئے ٹیکسوں کے خلاف بہار شریف میں ایک کامیاب ہڑتال کرائی اور عظیم الشان جلسہ منعقد کیا۔
- ۱۹۲۵ء۔ جمیعۃ الاسلامیہ بہار شریف کی نئی تنظیم کو سید مہدی حسن ایڈوکیٹ کے ساتھ منظم کیا۔
- یکم مارچ۔ ٹاؤن ہال کلکتہ میں پروفیسر حافظ شمس احمد شمس منیری کی زیر صدارت کلکتہ مومن کانفرنس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔
- ۶ر جولائی۔ مجلس میثاق نے پندرہ روزہ الاکرام کی اشاعت کی تجویز منظور کی۔
- پٹنہ سٹی میں آریہ سماجیوں کو ایک مناظرہ میں شکست دی۔
- ۱۹۲۶ء۔ تحریک کے مخلص اور جانثار کارکنوں کی خصوصی تربیت کے لئے ایک دارالتربیت قائم کیا۔
- ۲۶ر جولائی۔ بنکروں کی معاشی ترقی کے لیے بہار ویورس ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔
- ۱۵ر نومبر۔ مولانا علی حسین عاصم بہاریؒ کی ادارت میں بہار شریف سے انصاریان ہند کا پہلا پندرہ ترجمان الاکرام شائع ہوا۔

- رام نگر بنارس سے رسالہ ”ترجمان قوم“ کا اجرا عمل میں آیا۔
- دسمبر۔ مولوی عبدالعزیز عبداللطیف ایڈوکیٹ (ایم، ایل، سی، بمبئی) کی صدارت میں ہالیڈے پارک کلکتہ کا دوسرا جلسہ سالانہ (مومن کانفرنس) منعقد ہوا۔
- ۱۹۲۷ء۔ ۱۹ر فروری۔ دورۂ گورکھپور، یو، پی۔
- ۲۶ر فروری۔ دورۂ بنارس۔
- ۲۸ر فروری، دورۂ الہ آباد۔

مارچ تا اکتوبر۔ سفر مغربی یو پی، دہلی، پنجاب اور بمبئی وغیرہ۔

- ۲ر نومبر۔ دفتر مومن کانفرنس کلکتہ کے انتشار اور تحریک کے جمود کو دور کرنے کے لیے ورود کلکتہ۔
- روزنامچہ عاصم بہاریؒ ۳ر نومبر تا فروری ۲۸ء۔
- ۱۹۲۸ء۔ ۷ر ۸ر اپریل۔ آل انڈیا مومن کانفرنس کا اجلاس اول، منعقدہ ہالیڈے پارک کلکتہ۔ زیر صدارت مولانا عبدالمجید بی، اے، ایل، ایل، بی علیگ رئیس بنارس۔ بعض دستاویز کے مطابق یہ آل انڈیا مومن کانفرنس کا تیسرا اجلاس تھا۔
- جون۔ مجلس انتظامیہ آل انڈیا مومن کانفرنس کی نشست منعقدہ اٹالہ، الہ آباد۔
- ۱۹۲۹ء۔ ۳۰ر۔ ۳۱ر مارچ۔ آل انڈیا مومن کانفرنس کا دوسرا اجلاس، منعقدہ خسرو باغ الہ آباد۔ زیر صدارت شیخ ظہیر الدین (علیگ) وکیل انبالہ، پنجاب۔
- ۱۹۳۰ء۔ ۲۹ر۔ ۳۰ر نومبر۔ مجلس منتظمہ و عاملہ آل انڈیا مومن کانفرنس کی نشست مراد آباد۔
- کل ہند مجلس عاملہ مومن کانفرنس نے عاصم بہاریؒ کے ماہانہ کفاف کے لیے مبلغ پچاس روپے

متعین کیے مگر کثرت کار اور تحریکی اخراجات کے سبب زندگی بھر یہ پوری رقم کبھی وصول نہ ہو سکی اور خاندان عسرت کی زندگی بسر کرتا رہا۔

سنہ ۱۹۳۱ء - آل انڈیا مومن کانفرنس کا تیسرا کل ہند اجلاس منعقدہ ۱۷ر تا ۱۹ر اکتوبر بمقام دہلی، زیر صدارت سردار محمد اسلام صاحب بی اے آنریری مجسٹریٹ و رئیس نگمتیا، گیا۔

سنہ ۱۹۳۳ء - آل انڈیا مومن کانفرنس کا کل ہند اجلاس چہارم، منعقدہ ۱۴ر تا ۱۶ر اپریل بمقام ایس پی ایس ہال بیرون موری گیٹ، لاہور۔ زیر صدارت شیخ مرتضیٰ حسن رئیس، گورکھپور۔

سنہ ۱۹۳۴ء - پانچویں کل ہند مومن کانفرنس کا اجلاس، منعقدہ کریم گنج، گیا، بہار۔ ۱۰ر تا ۱۲ر نومبر، زیر صدارت مولوی محمد نظام الدین علیگ ایڈوکیٹ و رئیس، الہ آباد۔

سنہ ۱۹۳۶ء - عاصم بہاری رح نے اپنی نگرانی میں کانپور سے ہفتہ وار اخبار مومن گزٹ جاری کیا۔

سنہ ۱۹۳۷ء - چھٹا کل ہند مومن کانفرنس اجلاس منعقدہ حلیم ہائی اسکول، کانپور، یوپی ۹ر تا ۱۱ر اکتوبر۔ زیر صدارت مولوی شیخ عبدالعزیز ایڈوکیٹ۔

سنہ ۱۹۳۸ء - عبدالسلام (ایم ایل سی بمبئی) الہ آبادی اور عبداللہ کانپوری جیسے مومن رضاکار فرنگی دشمنوں کے ہاتھوں شہادت۔

سنہ ۱۹۴۸ء - ساتویں آل انڈیا مومن کانفرنس کا اجلاس ۲۶ر تا ۲۸ر مارچ، زیر صدارت عبدالقیوم انصاری، بمقام گاندھی میدان، پٹنہ، بہار، جس میں کل ہند مومن کانفرنس کی سیاسی سرگرمیوں کو ختم کر دینے کا فیصلہ ہوا۔

سنہ ۱۹۵۳ء - ۶ر دسمبر سنہ ۵۳ء مطابق ۲۸ر ربیع الاول سنہ ۱۳۷۳ھ بروز اتوار بوقت ۲ بجے شب بمکان حاجی قمر الدین صاحب مرحوم، محلہ اٹالہ، الہ آباد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور اٹالہ کے گورستان میں مدفون ہوئے۔ ے

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

لمحۂ فکریہ

۱- **جہیز** ایک مسلمہ سماجی لعنت ہے۔ اس کا لینا اور دینا دونوں سماج کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

۲- **جہیز** میں بیجا اسراف، اور سرِ راہِ نمائش کر کے خود اپنی ذات اور دوسرے بھائیوں کے لئے بے انتہا مشکلات پیدا کرنا ہے۔

۳- **دعوتوں** میں کثرتِ تعداد کے بجائے۔ سادگی، حسنِ انتظام، اور فرداً فرداً مہمان کے اکرام اور عزت کو ترجیح دی جائے۔

۴- **بچوں** کو اچھی تعلیم، مناسب تربیت دلانا، والدین کا اوّلین فریضہ ہے۔

۵- **ختنہ** - سنّت ہے اس موقعہ پر نام و نمود کے لئے بارات، باجے، دعوت اور اسراف بیجا شرع کے خلاف ہے۔

الہ آباد ویلفیر ایسوسی ایشن
۲۳۴- بخشی بازار، الہ آباد ۳